

# مذہبِ قرآن

۵۲

الظُّور

لِئَلَّا يُنْهَا عَنِ الْحَجَرِ

## ا۔ سورہ کامودا اور سابق سے تعلق

یہ سورہ اس گروپ کی تیری سورہ ہے۔ پھلی دونوں سورتوں — ق اور الذریت — میں زندگی بعد موت، حشر و نشرا اور جزا، و نزا کے عقلی و انفسی اور آناتی و تاریخی دلائل بیان ہوئے ہیں اور انداز بیان عمومیت ہیں جزا اور نزا دونوں کے پہلویے ہوئے ہے چنانچہ الذریت میں عکود کی حیثیت، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے، "إِنَّمَا تُوَعدُونَ نَصَادِقَةً وَلَمَّا دَعَنَّ الَّذِينَ لَوَاقُوا" رب شک جس چیز کی تم کو دھکی دی جا رہی ہے وہ پھر ہے اور جزا و نزا واقع ہو کے رہے گی اکو حاصل ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ جزا و نزا کے دونوں پہلوؤں پر حادی ہے، خواہ اس کا تعلق رحمت سے ہو یا عذاب سے۔ اس سورہ میں عذاب کے پہلو کو زیادہ فرمایا ہے چنانچہ چند تاریخی اور آناتی شواہد کا حوالہ دینے کے بعد قریش کو نہایت واضح الفاظ میں دھکی دی ہے کہ ان عذاب پتک کو واقع "مَا أَنْهَ مِنْ دَارِعٍ" (بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کے رہے گا اور کوئی بھی اس کو دفع کرنے والا نہ بن سکے گا) یہی دھکی اس سورہ میں مقسم علیہ کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور یہی اس سورہ کا عنود بھی ہے۔

## ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ اپنے مطالب کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم ہے۔

(۱۶-۱) یہ حصہ تمہیدی ہے۔ پہلے بعض اہم تاریخی و آناتی حقائق کو شہادت میں پیش کر کے تو میں کے نہ تزوین کو دھکی دی گئی ہے کہ جس عذاب سے تم کو ڈرایا جا رہا ہے اس کے لیے جلدی نہ چاہو، اگر تم نے اپنی روشن نہ بدلت تو وہ پیش آکے رہے گا اور کوئی بھی اس کوٹانے والا نہ بن سکے گا۔ اس کے بعد چند آیتوں میں اس عذاب کے دن کی تصویر ٹھپپی گئی ہے اور تکذیب کرنے والوں کا اس دن جو حشر ہو گا بالاجمال اس کا بیان ہے۔

(۱۷-۲۸) نکذبین کے مقابل متفقین پر اائد تعالیٰ اس دن یو قضل دائم فرمائے گا اس کا بیان۔ اس انعام کا خاص پہلو جو بیان نہیاں فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے جنبے آں داولاد کی دنیا بنا نے سے زیادہ ان کی عاقبت سنوارنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی بایمان اولاد کو جنت میں ان کے ساتھ جمع کر دے گا، اگرچہ اولاد اپنے اعمال کے اعتبار سے ان کے درجہ کی مستحق نہ ہو۔ اس یکجاٹی کے لیے اوپرے درجے کے متفقین کے درجہ کو

نیچا ہیں کیا جائے کا بکر نیچے درجے والوں کا مرتبہ اونپا کر دیا جائے گا۔ اصل نتائج کا انحصار تو آدمی کے اعمال ہی پر ہو گا، اس وجہ سے نہ کسی کے عمل میں کوئی کمی ہوگی اور نہ کوئی ایمان سے محروم شخص جنت میں جاسکے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل کا دروازہ اس کے باایمان بندوں کے لیے کھلدار ہے گا۔

(۲۹ - ۲۹) خانکہ سورہ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قسمی دی گئی ہے کہ تھاری تکذیب کے لیے کفار یوں بہانے بنا رہے ہیں ان کی پرواکیے بغیر اپنا فرض تذکیرہ داکیے جاؤ تاکہ جن کو راہِ راست پر آنا ہو وہ راہِ راست پر آجائیں اور جو اپنی مگر ابھی پر اڑے رہنا چاہیں ان پر محبت تمام ہو جائے۔ اور پرآیت ۱۴ میں مخالفین کی جن سخن سازیوں اور تہمت تراشیوں کی طرف اشارہ ہے ان کی قفضل اور ان کے مکمل جواب۔

ستھر دین کو تبدیل کر غفریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کی ساری چالیں یہ کار ہو جائیں گی اور آخرت کے عذاب سے پہلے وہ اس دنیا میں بھی عذاب سے دوچار ہوں گے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقامت کی تلقین کرائپے رب کے فیصلہ کا استغفار کرو اور اطمینان رکھو کہ تم ہر وقت ہماری حفاظت میں ہو۔

صبر و استقامت کے حصول کے لیے ناز بالخصوص شب اور سحر کی نازوں کے اہتمام کی تاکید۔

# سُورَةُ الظُّرُورِ (٥٢)

مَيْكَةٌ

آيات : ٣٩

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالظُّرُورِ ۝ وَكِتَابٌ مَسْطُورٌ ۝ فِي رَقٍ مَسْتُورٍ ۝ فَالْبَيْتُ  
 الْمَعْمُورِ ۝ وَالسَّقْفُ الْمَرْفُوعُ ۝ وَالْبَحْرُ السُّجُورُ ۝ إِنَّ  
 عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ۝ يَوْمَ تُمُورُ  
 السَّمَاءُ مَوْرًا ۝ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ فَوَيْلٌ يَوْمَ مِنْ  
 الْمُكَذِّبِينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ۝ يَوْمَ يَدْعُونَ  
 إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعَا ۝ هَذِهِ الْتَّارِاتِيُّ كُنْتُمْ بِهَا  
 تَنْكِيدُونَ ۝ أَفَسِحْرُهُذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبَصِّرُونَ ۝ إِاصْلَوْهَا  
 فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا ۝ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا  
 كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّ الْمُتَقْتَلِينَ فِي جَنَّتٍ وَنَعِيْرُ ۝ فِيهِمْ  
 بِمَا أَثْهُمْ رَبِّهِمْ وَوَقَهُمْ رَبِّهِمْ عَذَابُ الْجَحِيْمِ ۝  
 كُلُّوا وَاشْرِبُوا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ مُتَّكِّلُونَ  
 عَلَى سُرُرٍ مَصْفُوفَةٍ ۝ وَزَوْجُهُمْ بِحُوْرٍ عَيْنٍ ۝ وَالَّذِينَ  
 أَمْتُوا وَاتَّبَعُتُهُمْ دُرَيْهُمْ يَا يَمَانَ الْحَقْنَا بِهِمْ ذُرَيْهُمْ وَمَا

الْتَّنَهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ اُمُرٍی بِمَا كَسَبَ رَهِینٌ<sup>۲۱</sup> وَ  
أَمْدَادُهُمْ بِفَآكِهٰةٍ وَلَحْمٍ مِمَّا يَسْتَهِنُ<sup>۲۲</sup> بَيْتَ زَعْوَنَ فِيهَا  
كَاسَالًا لَغَوْفِهَا وَلَاتَّاشِيمٌ<sup>۲۳</sup> وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غَلْمَانٌ لَهُمْ<sup>۲۴</sup>  
كَانَهُمْ لُؤْلُؤَ مَكْنُونٌ<sup>۲۵</sup> وَاقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ  
قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلًا فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ<sup>۲۶</sup> فَمَنْ أَللَّهُ  
عَلَيْنَا وَقَدْنَا عَذَابَ السَّمُومِ<sup>۲۷</sup> إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلٍ نَدْعُوهُ  
إِنَّهُ هُوَ الْبَرَّ الرَّحِيمُ<sup>۲۸</sup>

شہر بے طور اور کتاب لکھی ہوئی، بھلی کے کھلے ہوئے اور اقی میں۔ اور شاہد  
ہے آبادگھر اور بلند چھپت اور بزرگ سمندر کہ تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا،  
کوئی اس کوٹانے والا نہیں بن سکے گا۔ ۱ - ۸

اس دن کو یاد رکھو جس دن آسمان ڈالوں ڈول ہو جائے گا اور پہاڑ چلنے لگے  
جائیں گے، پس بدجھتی ہے اس دن جھیلانے والوں کی! ان کی جو سخن گستاخی میں لگے  
ہوئے کھیل رہے ہیں۔ جس دن کہ وہ آتش دوزخ کی طرف دھکے دے دے کر  
لے جائے جائیں گے کہ یہ ہے وہ دوزخ جس کو تم جھیلاتے رہے تھے۔ کیا یہ جادو  
ہے یا تمھیں سمجھاتی نہیں دے رہا ہے! اس میں داخل ہو جاؤ، اب صبر کر دیا نہ کرو۔  
تمہارے لیے کیاں ہے۔ تم وہی پرے میں پار ہے ہو جو کرتے رہے تھے۔ ۹۰-۱۶۰  
بے شک مشرقی بندے باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ وہ مخلوق ہو رہے ہوں گے  
ان نعمتوں سے جوان بکے رب نے ان کو دے رکھی ہوں گی اور اس بات سے کہ

ان کے رب نے ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا۔ کھاؤ اور پیو بے غل و غش  
اپنے ان اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے تھے۔ شیک لگائے ہوئے ہوں گے

صف بہ صفت، تختوں کے اوپر اور ہم ان کو بسیاہ دیں گے غزالِ چشمِ حوریں۔ ۴۰۰-۱

اور جو لوگ ایمان لائے، اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی  
کی ان کے ساتھ ہم ان کی اولاد کو بھی جمع کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے ذرا بھی کمی  
نہیں کریں گے۔ ہر ایک اس کمائی کے بدله میں گرد ہو گا جو اس نے کی ہوگی۔ اور ہم ان  
کی پسند کے میوے اور گرشت ان کو برابر دیتے رہیں گے۔ ان کے درمیان ایسی شراب  
کے پیالوں کے تبادلے ہو رہے ہوں گے جو لنوتیت اور گناہ سے پاک ہو گی اور محفوظ موتیوں  
کے ماند چھپو کرے ان کی خدمت میں سرگرم ہوں گے۔ ۲۳-۴۱

وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے، دریافتِ حال کرتے ہوئے۔ کہیں گے،  
ہم اس سے پہلے اپنے اہل و عیال کے باب میں بڑے ہی چوکتے رہے ہیں تو والدہ  
ہم پرانا فضل فرمایا اور ہمیں عذاب دوزخ سے محفوظ رکھا۔ ہم اس سے پہلے اسی کو  
پکارتے رہے تھے، بے شک وہ بڑا ہی باوفا اور مہربان ہے۔ ۲۸-۲۵

## ۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

(الطور (۱))

”وَ، يَا هُنَّا قَسْمَ كَيْ يَبْيَهُ بَهْ اُرِيْ وَضَاحَتْ اسَ كَمَعْلِيْنِ تَفَقِيلِيْنِ سَهْ بَهْ بَعْلِيْنِ ہَيْ كَمَارَنِيْنِ تَجْمِيزِيْنِ“ قسم اور  
کھانگی کئی ہیں بیشتر اس دعوے کی شہادت کے لیے کھانگی کئی ہیں جو اس قسم کے بعد بطور مقسم علیہ مذکور ہو رہے ہیں۔ مقسم علیہ  
یہاں قسم علیہ، جیسا کہ ہم نے تمہید میں اشارہ کیا ہے ”عَذَابَ زَبِيثَ نَوَّاقَةَ“ (بے شک تیرے رب کا عذاب

وائق میگرے بے گا) ہے ماس دبیر سے طور کی قسم لازماً اس دعو۔ پر شہادت، کے لیے کھاتی گئی ہے، چنانچہ قسم کے اسی معنوم کو پیش نظر رکھ کر ہم نے اس کا ترجیح شاہد ہے طور کیا ہے اور یہ ترجیح ہمارے نزدیک زیادہ معنی خیز ہے۔

لُجُوز سے مراد ہی جبل طور ہے جس کا ذکر مختلف پلرڈن سے قرآن مجید میں بار بار ہوا ہے۔ اسی طور کی ایک تقدیس وادی طویل، میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں سے واپس ہوتے ہوئے، پہلی بار خدا کی تجلی کا مشاہدہ ہوا۔ یہی وہ شرفِ رحمات سے مشرف ہوئے اور حکم ہوا کہ وہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس متدرجن کر جائیں اور اس کو آگاہ کر دیں کہ اگر وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آیا تو اپنی قوم سخت اللہ کے عذاب کی زد میں آجائے گا۔ پھر فرعون کی بلادت کے بعد اسی طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قورات دینے کے لیے بلایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیابت کے دوران میں جب بھی اسرائیل گوسالہ پرستی کے نقش میں قبلہ ہوئے تو اسی طور کے دام میں اپنی قوم کے مرداروں کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اجتماعی توبہ کے لیے حاضر ہوئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سارے طور کو بلاد دیا اور بھی اسرائیل کو تمیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب — تورات — دے کر تم سے جو عہد ہے رہا ہے، اگر اس عہد پر تم استوار نہ رہے تو یاد رکھو کہ اس کی قدرت یہ بھی ہے کہ اسی پہاڑ سے تمہیں کچل کے رکھ دے گا۔

اپنی ان گوناگون خصوصیات کے سبب سے جبل طور اس دعوے کی صداقت و شہادت کا ایک حلیم تاریخی نشان ہے جو اس قسم کے بعد غور ہوا ہے۔ چنانچہ اسی خصوصی کی بنا پر اس کی قسم سورۃ تین میں بھی کھاتی گئی ہے اور وہاں بھی، جیسا کہ سورۃ تین کی تفسیر میں ان شاوا اللہ ہم واضح کریں گے، اسی جنادر و نزاہتی کے پہلو سے اس کی قسم کھاتی گئی ہے۔

**ایمن لفہمی** بعض لوگوں نے فقط طور کو یا ان فام پہاڑ کے معنی میں لیا۔ ہے۔ لیکن یہ قول مختلف درجہ سے کمزور ہے۔ اول تو قرآن کی تادیل معروف معنی کے لحاظ سے کرنی چاہیے۔ لفظ طور، عبرانی یا سریانی میں پہاڑ کے معنی میں مکن ہے آتا ہو سکن عربی میں یہ اس معنی میں معروف نہیں۔ قرآن میں یہ لفظ بار بار آیا ہے اور ہر جگہ علم ہی کی جیشیت سے آیا ہے۔ درستے یہ کہ پہاڑ کے معنی۔ لینے کی صورت میں تقسم عیار کے ساتھ اس کی مطابقت باقی ہمیں رہتی درآئیا یہ چیز خود رہی ہے در نظم بے محل ہو جائے گی۔

### ڈیکٹیپ مسٹرڈ (۲)

دیکٹیپ مسٹرڈ اسے مراد یاں تورات ہے۔ اس کا ایک واضح قرینہ تو یہ ہے کہ اس کا عطف سے مراد تورات طور پر ہے اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور ہی پر عطا فرمائی۔ دوسرے قرینہ یہ ہے کہ اس کی صفت سی ریتی منشود آتی ہے۔ ”ذق“ باریک کھال کر کہتے ہیں جو زمانہ تدبیم میں لکھنے کے معرف میں آتی تھی اور تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات شروع شروع میں صاف کی ہر قیمتی باریک کھاؤ

ہی پر لکھی جاتی ہو طومار کا شکل میں لپیٹ کر رکھی جاتیں اور تلاوت کے وقت ان کو پھیلایا جاتا۔ ان قرائیں کی موجودگی میں تورات کے سوا کسی اور کتاب کو مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے ذہراً اعمال کو مراد لیا ہے، لیکن یہ اس کا محل نہیں ہے۔ اس کی شہادت اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں موثر ہو سکتی ہے۔

مُقْسِمٌ علیہ کے ساتھ بھی اس کا تعلق باعکل واضح ہے۔ جس طریقہ مُطُورٌ اللہ تعالیٰ کے قانونِ مجازات کا ایک تاریخی نشان ہے اسی طرح تورات بھی ایک عظیم تحریری ریکارڈ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا قانونِ مجازات بھی ذکر ہے اور اس قانون کے تحت اس نے دنیا میں قوموں کے ساتھ جو معاملات کیے ہیں ان کی تاریخ بھی محفوظ ہے۔ اس تاریخ کو پڑھیتے تو معلوم ہو گا کہ مکافات عمل کا قانون حضرت آدمؑ کے وقت سے برابر جا رہی ہے اور اس کا یہ فسل اس امر کی دلیل ہے کہ یہ برابر جا رہی رہے گا، یہاں تک کہ ایک ایسا دن بھی آئے گا جس میں اللہ تعالیٰ کے عدیل کامل کا ظہور ہو گا۔ اس دن جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہو گی وہ اس برائی کی سزا بھیستے گا اور جس نے رائی کے برابر بھی نیکی کی ہو گی وہ اس کا صدقہ پائے گا۔

لقطہ بکتا ہے کہ نیکی اس کی شان کے اظہار کے لیے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن سے پہلے یہی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت اور آخرت کے عذاب سے ڈرانے کے لیے اتاری اور جس کے بنیادی احکام تحریری شکل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غایت فرمائے۔ اس سے پہلے حضرات انبیاء علیہم السلام نے جو تعلیم دی وہ تمام ترزیبائی وی ماں کی تعلیمات کو تحریر کی شکل میں لانے کا آغاز اسی کتاب سے ہوا اس وجہ سے اس کا ذکر خاص اہمیت کے ساتھ ہوا۔ اس تعلیم بالفکر سے خلق پر امامِ حجت کے چوپان ظہور میں آئئے ان پر ان شاعر اللہ سورۃ رحمٰن اور سورۃ علق کی تفسیر میں ہم روشنی ڈالیں گے۔

*(فِي رَثِيقٍ مَّشْوِرٍ) (۳)*

لقطہ دیتی، کی تحقیق اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے پھیلے ہونے اور اس میں ہونے کا حوالہ ایک کھد صحفہ میاں خلق پر امامِ حجت کے پہلو سے ہے۔ یعنی یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے بلکہ ایک آشکارا حقیقت ہے جو بالکل کھلے اور پھیلے ہونے اور اس میں بیان ہوتی ہے۔ جو شخص پا رہے، اس کو پڑھ سکتا ہے اور اگر پڑھ نہیں سکتا تو اس کو پڑھوا کر سن سکتا ہے۔ بلکہ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کتاب کے حاملین سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کو بتائیں اور سنائیں کہ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے کیا بیان فرمایا ہے۔

یہ امر میاں ملحوظ ہے کہ اہل عرب دینی معاملات میں اہل کتاب کی برتری تسلیم کرتے رہے ہیں، چنانچہ جگہ جگہ قرآن نے ان کو ترجیح دلاتی ہے کہ اگر وہ نہیں جانتے تو اہل کتاب سے پرچھ لیں۔ پھر یہ

بات بھی ہے کہ تراثت میں حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تاریخ بھی بیان ہوئی ہے اور اہل عرب اس بات کے تعلقی تھے کہ وہ جس دین پرہیز وہ ان کو اپنے انہی اجداد سے دراثت میں ملا ہے، گویا ان کے لیے یہ ایک لطیف اشارہ ہے کہ وہ اس کتاب سے معلوم کر سکتے ہیں کہ ان کے اجداد نے ان کو جزو سزا سے ڈرایا ہے یا نہیں۔

وقت کے بعد لفظ منشور میں وقت کے یہود پر نسبت لطیف تعریض بھی ہے۔ قرآن میں یہ بات جگہ بیان ہوئی ہے کہ یہود اپنے مھیفون کی بہت سماں باقی چھپتے ہیں۔ کتاب حق کی یہ بیماری یہود کے اندر ان کے دود تعریض زوال میں پیدا ہوئی اور اس کے پیدا ہونے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ یہ نہیں چھپتے تھے کہ لوگ ان پیشین گرتوں سے واقع ہوں جو تراثت کے مھیفون میں نبی آخرا زمان (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق داروں ہیں اور جن میں ان کو یہ دھکی بھی دی گئی ہے کہ اگر انھوں نے اس نبی کی تکذیب کی تو وہ خدا کے نuspوب اور امامت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لفظ سے یہود کو تراثت کی اصل نوعیت کی یاد رکھنی گئی کہ یہ پھیلے ہوئے، صاف و شفاف اور اق میں قائمی کہ لوگ اس کو پڑھیں اور سمجھیں اور اس کے اوراق ہر وقت لوگوں کے سامنے کھلے رہیں، لیکن وہ اپنی بد نجاتی سے ان کو چھپاتے ہیں۔ یہی حقیقت حضرت مسیح نے یہود کو خطاب کر کے یوں واضح فرمائی ہے کہ تم کو چراغ دیا گیا تھا کہ گھر میں اس کو بلند بجک پر رکھو کہ مارے گھر میں روشنی پھیلے، لیکن تم نے اس کو پھانسے کے نیچے ڈھانک کر رکھا ہے؛  
**وَأَبْيَدُتِ الْمَعْوُدِ (۲)**

**بیت معود** سے عالم طور پر مفسرین نے جنت کے اندر ایک گھر کو مراد لیا ہے جو فرشتوں کے سے ماد یہے آسمان میں وہی حیثیت رکھتا ہے جو زمین میں انسانوں کے لیے بیت اللہ الحرام کی ہے۔ لیکن یہ قول ہمارے نزدیک، یہاں غیر متعلق ہے۔ اس طرح کا کوئی گھر جنت میں ہے سے تو اس کی شہادت اس دعوے کے حق میں کیا وزن رکھتی ہے جو اس قسم کے بعد پیش کیا گیا ہے؟ ہمارے مفسرین کو چوکہ کی غلط فہمی ہے کہ قسم جس چیز کی کھانی جائے وہ کوئی مقدس چیز ہوئی پہلی ہے، اس وجہ سے وہ صرف مقسم برکتی قدس کو دیکھتے ہیں حالانکہ اصل دیکھنے کی چیز مقسم پر کا تقدس نہیں بلکہ پیش کردہ دعوے پر اس کی شہادت کا پہلو ہے۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو دعوے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق سمجھ میں نہیں آتا۔

بعنی لوگوں نے اس سے بیت اللہ کو مراد لیا ہے۔ یہ قول اس پہلو سے تو وزن دار ہے کہ بُلْدُ امین، کی قسم سورہ تین میں بڑا اور زیارت کے حق ہونے پر کھانی گئی ہے۔ بیت اللہ چونکہ اسی بلدا میں واقع ہے اس وجہ سے اس کی شہادت بھی اپنے اندر ایک معنویت رکھتی ہے لیکن سیاق و سبق اس قول کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد متوقف رفوع، کی قسم کھانی گئی ہے۔ اس 'ستقف رفوع' سے بیت اللہ کی چھت نظر ہے کہ مراد نہیں ہو سکتی۔ اس سے آسمان ہی مراد ہو سکتا ہے

اور مفسرین نے آسمان ہی کو مراد لیا بھی ہے۔ اگر اس سے آسمان ہمافرا دہے تو بیت اللہ کی قسم کے بعد آسمان کی قسم اور اس کے بعد دریا کی قسم یہ کچھ بے جوڑ سی قسمیں ہو جاتی ہیں۔ ان کے اندر وہ بہنگاہ ہم آہنگی باقی نہیں رہتی جو طور اور کتاب مطورو والی قسم میں پائی جاتی ہے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ بیت مصور سے مراد یہ زمین ہے جس پر آسمان کی چھت پھیل ہوتی ہے۔ اس خیال کی تائید میں کئی باتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً

ایک یہ کہ زمین کے لیے بیت کا استعارہ نہایت موزوں ہے۔ قرآن نے جگہ جگہ اس کو مہاد، اور قدار، وغیرہ الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ نیز زمین کو فرش اور آسمان کو اس کی چھت سے شال فی کراس کے گھر ہونے کو نہایت خوبصورت طریقہ پر مثال بھی کر دیا ہے۔

دوسری یہ کہ اس کے بعد آسمان کا ذکر اس بات کا نہایت واضح قرینہ ہے کہ اس سے زمین ہی مرادی جائے۔ قرآن میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں کی طرف توجہ دلاتی گئی ہے زمین اور آسمان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہوا ہے۔

تیسرا یہ کہ قرآن میں جگہ جگہ اس حقیقت کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی پروردش کے لیے جو گوناگون اسباب و وسائل ہیئت فرمائے ہیں وہ اس بات کی نہایت واضح دلیل ہیں کہ انسان اس دنیا میں تشریبے ہمار نہیں ہے بلکہ وہ اپنے رب کے آگے جواب دے ہے۔ لفظ 'معمور' یہاں زمین کے انہی اسباب و وسائل اور اس کے لازمی نتیجہ یعنی مشمولیت اور جواب دہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

چوتھی یہ کہ سابق سورہ — الذیت — میں فرمایا ہے کہ **دُفِ الْأَرْضِ** آیت ۲۰ (اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لیے) نیز فرمایا ہے کہ **دُفِ السَّمَاءِ** (دُفِ الْقُمُودِ مَا تُوعَدُونَ) آیت ۲۲ (اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ پیغیر بھی جس سے تم کو ڈرایا جا رہا ہے) ان آیتوں کی تفہیم کرتے ہوئے ہم زمین و آسمان کی ان نشانیوں کی طرف اشارہ کر رکھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قانونِ مجازات اور اس کے عذاب پر گواہ ہیں۔ بعدہ اسی چیز پر زمین و آسمان کی گواہی بیان پیش کی گئی ہے، مرف اسلوب بیان کا فرق ہے۔

ان مختلف وجہ سے ہمارے نزدیک اس سے مراد زمین ہے اور لفظ 'معمور' سے اس کا مراد ہونا خدا کی قدرت، حکمت اور بروتیت کی ان شاذیوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس سے قرآن نے جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کے عدل اور جزا و مزرا پر استدلال فرمایا ہے اور جس کی وضاحت اس کتاب میں ہم برابر کرتے آس پہنچے ہیں۔

آسمان کے زمین کے بعد یہ آسمان کی شہادت پیش کی گئی ہے۔ قرآن نے اپنے دعاویٰ کی تائید میں بالعموم زمین شہادت کی نشانیوں کے ساتھ آسمان کی نشانیوں کا بھی حوالہ دیا ہے۔ سورہ ذاریت کی آیت *وَمَا تُوَعِّدُونَ رَبِّ الْأَسْمَاءِ وَالْجَمَاعَةِ* (۲۴) اور آسمان میں تھماری روزی بھی ہے اور وہ چیز بھی جس سے تم کو ٹرا یا جا رہا ہے نیز اس میں *وَالْأَسْمَاءِ وَذَاتِ الْجَنَاحَاتِ* (۲۵) (دھاریوں والے آسمان کی قسم بھی ہے۔ اس کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈالیجیے۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ معنوں کی تباہی میں آسمان اور ابر و ہوا کے تصرفات کو کتن دخل رہا ہے۔

آسمان کا ذکر قرآن میں موقع و محل کی رعایت سے مختلف صفات کے ساتھ ہوا ہے۔ یہاں اس کو سقفِ مرفع سے تعبیر فرمایا ہے۔ فقط سقف اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، عنایت اور رحمت پر دلیل ہے کہ یہ مخفی اس کی کرمگستردی کا کرشمہ ہے کہ اس نے یہ عظیم شامیا نہ ہمارے سروں پر تاب رکھا ہے اور لفظ مرفع، اس کی قدرت، عظمت اور کبریٰ تھی کو ظاہر کر رہا ہے کہ جزویات اس عظیم اور ناپیدا کنار چھت کے بلند کر دینے پر قادر ہے کون سا کام ہے جو اس کے دائرہ قدرت سے باہر ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی صفات کے پر دونوں پہلو دیعنی اس کی عنایت اور قدرت) جن مختلف اعتبارات، سے آخرت اور جزا و مزاج پر دلیل ہیں ان کی تفصیل اس کتاب میں ہم برابر کرتے آ رہے ہیں۔  
*وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ* (۲۶)

مسجد کے معنی بھرنے کے ہیں۔ سجدۃ الجل التئور سورہ کو ایندھن سے بھر دیا۔ سجدۃ الماء النہر پانی نے نہر کو بہر ز کر دیا۔

مسجد کے سند کے شہادت کی نشانی زمین کی ایک سب سے بڑی نشانی سند کی قسم کھائی۔ یہ امر یہاں بمحظوظ ہے کہ قرآن کے درسرے نتوات میں بھی زمین اور آسمان کی نشانیوں کا حوالہ دینے کے بعد سند کی نشانیوں کا ذکر آیا ہے، ملاحظہ ہوں سورہ رحمن کی آیات ۱۰-۲۴۔ ان آیات پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ زمین و آسمان کی نشانیوں میں سے سند را پنے اندر خدا کی توحید، اس کی قدرت، اس کی ربوبیت اور اس کی جزا و مزاج کے اتنے شوابہ رکھتا ہے کہ انسان ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ ان شوابہ کی تفصیل اس کتاب میں جگہ جگہ ہم کرتے آ رہے ہیں۔ ان بخشوں کو ان کے محل میں دیکھیجیے۔ بعض اہم امور سورہ رحمن کی تفسیر میں بھی ان شادا اللہ زیر بحث آئیں گے۔ یہاں سورہ کے عمود اور مقسم علیہ کے تعلق سے اتنی بات یاد رکھیے کہ ان قسموں کے بعد جس عذاب سے ڈرایا گیا۔ چے اس کی تاریخی شہادت، قوم نوح کے واقعیں بھی موجود ہے اور قوم فرعون کے واقعیں بھی۔ یہ دونوں قومیں سند رہی کے عذاب میں گرفتار ہوئیں جس کی تفصیلات تورات میں بھی موجود ہیں اور قرآن میں بھی۔  
*رَأَنَّ عَذَابَ رَبِّكَ نَوْا قُعْدَةً تَمَالَهُ مِنْ دَارِ فِعْلَةٍ* (۲۷)

یہ ہے محاصل دعویٰ بجود پر کی قسموں کے بعد پیش کی گی ہے اور یہی اس سورہ کا عمود بھی ہے۔ یہی اصل دعویٰ بات سمجھی تینِ الفاظ کے ساتھ، سابق سورہ میں ہواؤں کی قسم کے بعد یوں ارشاد ہوتی ہے: **إِنَّمَا تُوعَدُونَ** جو سورہ کا **نَصَادِقٌ هُوَ قَدْلَانَ الدِّينِ وَاقِعٌ رَّانِدَاتٍ** (۶-۷) اربے شک جس چیز سے تھیں ڈرایا جا رہا ہے وہ سچی ہے اور مودہ ہے بے شک جزا اور زنا ہو کے رہے گی) بس اتنا فرق ہے کہ اس میں عذاب کا پہلو زیادہ نمایاں ہے ہم سابق سورہ میں **إِنَّمَا تُوعَدُونَ** **نَصَادِقٌ** کی شرح کرتے ہوئے اشارہ کر رکھے ہیں کہ اس سے مراد درحقیقت وہ عذاب ہے جس سے اللہ کے رسولوں نے دنیا اور آخرت میں ڈرایا ہے۔ اس سورہ میں گویا دبھی بات واضح فرمادی گئی ہے جو سابق سورہ میں مضطربتی۔ احوال کے بعد تفصیل اور اضمار کے بعد توضیح قرآن مجید کا مرور اسلوب ہے جس کی شاییں پچھے گزر جکی ہیں۔

اوپر قسموں کی وضاحت کرتے ہوئے ہم ان شواہد کی طرف اشارہ کر رکھے ہیں جو اس دعوے پر دلیل ہیں۔ ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی کا حوالہ دے کر بنی اسرائیل علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم قریش کو جس عذاب سے ڈوار ہے ہو اور جس کا وہ مذاق اڑار ہے ہیں وہ واقع ہو کے رہے گا، کوئی اس کو دفع کرنے والا نہ بن سکے گا۔ یعنی نتزوان کی اپنی قوت و محییت اس کے مقابل میں کچھ کام آئے گی اور زمان کے مجموعہ کاء و شفاعة ان کو اس سے چھڑا سکیں گے۔ زدنیا میں اس سے کوئی بچا سکے گا اور زمانہ آخرت میں کوئی سہارا دے سکے گا۔ ٹکر پر موسیٰ (علیہ السلام) کو جو بذری گئی، تورات کے صحیفوں میں جو ریکارڈ ڈرمود ہے، یہ زمین جن آثار و شواہد سے محور ہے، یہ سقف نیگوں جن عجائب تعریفاتِ قدرت کی گواہی دے رہی ہے اور یہ سند رہن آیاتِ الہی کے این ہیں ان کو دیکھو اور ان پر غور کرو، وہ اس دعید کی تقدیت کے لیے کافی ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور نشانی کی ضرورت نہیں ہے۔ ان نشانوں سے جن لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں گی وہ اگر آسمان کا کوئی مکمل اپنے اوپر گرتا ہو ابھی دیکھیں گے تو اس کو بھی مذاقب کے سجائے اپر باراں سمجھ کر خوشی سے ناچیں گے، یہاں تک کہ وہ ان کو تباہ کر کے رکھ دے گا لیکن وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

**يَوْمَ تَمُورُ الْسَّمَاءُ مُوْرًا وَ تَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا هُوَ فَوْيُلٌ يَوْمٌ صِدِّلَ الْمُكَدِّيَنَ**  
**الَّذِينَ هُمْ فِي خُوْصِيَّةٍ يَلْعَبُونَ** (۹-۱۲)

یہ اس عذاب کی تصور ہے کہ اس دنیا میں یہ آسمان جو نہ سیت ہی محکم اور اپنے مقام پر نکاپوں نظر آتا ہے ڈاؤں ڈول ہو جائے گا۔ مُوْرَ کے معنی مضطرب اور مترد ہو کر ادھر ادھر حرکت کرنے کا تصریر کے ہیں۔ یعنی اس کا کوئی مکمل اکسی سست کو جاتا ہو انظر آئے گا، کوئی کسی جانب کو، اسی طرح یہ پھاڑ جو اپنی جگہ کر لے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اکھر عکر بالکل بگ طٹ پلنے لگیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دن حب آسمان اور بیماروں کا یہ حال ہو گا تو انسانوں پر کیا گزرے گی؟ اس دن کسی کی قوت و محییت

اور کسی کے تکمیل اور مورپھے کی کام آنے والے بن سکیں گے! یہاں یہ ایات یاد رکھئے کہ جب قریش کے سرکشون کو قیامت کے دن کسی بہل کی خبر دی جاتی تو وہ بانداز استہزاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے کہ اس دن ان پہلوؤں کا کیا ہے گا، کیا یہ بھی ٹوٹ پھوٹ جائیں گے! قرآن نے دوسرے مقام میں انہی لوگوں کے جواب میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو بتا دو کہ میرارب ان کو بھی ریزہ ریزہ کر دے گا۔

**خَوَدِيلٌ يَوْمَ مِيْضٌ لِّلْمُكَذِّبِينَ، فَرَمَا يَكُرَّا سَوْنَ دُنْ انَّ وَوْنَ کَے لِيے بُلَادِکِي ہی بُلَادِکِي ہے جو اس کو آج جھپٹلار ہے ہیں۔ أَتَذَدِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَكْعَبُونَ۔** یہ انہی جھپٹلانے والوں کی صفت ہے جس سے کلام بالکل مطابق حال ہو گیا ہے اور یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آگئی کہ اس سے مراد وہی متعددین قریش ہیں جو مختلف قسم کی سخن سازیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم کرنے اور آپ کے انداز کو ہوا میں اڑا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان سخن سازیوں کی تفصیل اسی سورہ میں آگئے آیات ۲۹-۴۰ میں آئے گی۔

مخالفین کے  
غایک بازی

‘خوض’ کے معنی کسی چیز کے اندر گھننے کے ہیں۔ ‘خاض الماء وہ پانی کے اندر گھن گیا۔ اسی سے خاض القوہ فی الحدیث، کام محاورہ نکلا جس کا مضمون یہ ہے کہ لوگ بات سے بات پیدا کرتے ہوئے کہیں سے کہیں جانکلے۔ عام طور پر یہ محاورہ کسی باطل کی حیثیت اور حق کی مخالفت میں سخن سازی اور دلیل بازی کے یہے آتم ہے۔ قرآن میں یہ اسی معنی میں جگر بلگر آیا ہے۔ **شَلَادْ حَضْسُمْ كَالَّذِي حَاصُوا رَتْبَةً، فَذَهَبُمْ بِيَوْمِهَا** (اور قم نے بھی اسی طرح کی دلیل بازیاں کیں جس طرح کی دلیل بازیاں انہوں نے کیں)۔ **وَيَدْعَبُونَا حَتَّى يَلْقَأُوا يَوْمَهُمُ الْيَوْمَ ذِي يُوْمَدُونَ** راز خوف (۸۳) (پس ان کو جھپٹلو وہ دلیل بازیاں اور سخن سازیاں کرتے رہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے دوچار ہوں جس کی ان کو دھمکی دی جا رہی ہے)۔

کس بات کو حق سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت میں دلیلیں گھٹنے کی کوشش کرنا اپنی اور اپنے پرونوں کی عقل کے ساتھ ایک قسم کی دل لگی ہے اس وجہ سے قرآن نے اس کو نکعب سے تعبیر فرمایا ہے، رخانِ ذی کا یہ کھیل یوں توہر حال میں نہایت خطرناک ہے لیکن اس صورت میں آخری حد تک خطرناک ہو جاتا ہے جب اس کے نتیجے میں ایک ابدي خزان سے سابق پیش آنے والا ہو۔

اس خوف کی پوری تفصیل آگئے آرہی ہے۔ اس سے اشارہ مخالفین کی اس طرح کی باتوں کی طرف ہے جو وہ اپنے ضمیر کے خلاف محض اس لیے ہے کہ کسی طرح اس اثر کو مٹائیں جو قرآن کی دعوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے لوگوں کے دلوں پر پڑ رہا تھا۔ **شَلَادْ يَكْوُنُ آپ کو کہتا، کوئی شاعر، کوئی آپ کو مفتری قرار دیتا اور کوئی شیخی باز۔** اسی طرح بعض یہ دعویٰ بھی کرتے کہ جس طرح کا کلام یہ پیش کر رہے ہیں اس طرح کا کلام ہم بھی پیش کر سکتے ہیں۔ غرض آپ کو زخم کرنے کے لیے جس کو جوابات

بھی سوچھ پاتی وہ بے دھڑک کہہ گزتا۔ حق کی فنا نفت میں یہ نکتہ آفرینیاں ان کے لیے مخفی دل لگی تھی۔ یہ سوچنے کی ترقیت کسی کونہ ہوتی کہ اس دل لگی سے اپنے اور اپنی قوم کے لیے وہ ابدی جہنم کا سامان کر رہے ہیں۔

يَوْمَ يَدْعُونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعَاهُ هُنْدَةُ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تَكَبَّرُونَ (۱۲۰ - ۱۲۱)

اس دن ان دل لگی بازوں پر ہو آفیں نازل ہوں گی، یہاں کی تفصیل ہے۔ دعہ کے معنی پوری آنحضرت کا نہاد شدت و نفرت کے ساتھ دھکا دینے کے ہیں اور اس کے بعد دعا، اس کی مزید تائید کے لیے ہے یعنی اڑنے والوں آج یہ دل لگی ہیں معلوم ہیں لیکن اس دن یہ جہنم کی طرف دھکے دے دے کر ہائے جائیں گے اور ان سے کا انجم کہا گا کہ یہ ہے وہ دوزخ جس کا دنیا میں تم مذاق اڑاتے اور جس کو جھلکاتے تھے۔  
أَفَيَحْدُثُ هَذَا أَهْرَانِمْ لَا تَبْصِرُونَ (۱۵)

یعنی دنیا میں جب اللہ کا رسول تم کو اس سے ڈرارہا تھا تو تم اپنے آپ کو اور اپنے عوام کو اس سے نچخت رکھنے کے لیے قرآن کے امداد کو الفاظ کی جادو گری قرار دیتے تھے۔ اب بتاؤ یہ الفاظ کی جادو گری ہے یا ایک حقیقت ہے لیکن جس طرح تم دنیا میں اس سے اندھے بنے رہے اسکی طرح اب بھی تحسین یہ دکھائی نہیں دے رہی ہے!

إِصْلُوهَا فَا صُبْرُوا أَوْلًا تَصْبِرُوا هَ سَوَّاً عَيْدِكُمْ مِّنْ أَنْمَاءِ جَنَّدُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۱۶)

حکم ہو گا کہ جاؤ اس میں پڑو تھا رے یہے اب کوئی مغرنہیں۔ سوہاہ صبر کر دیا رُو چلا گو، دونوں تھا رے لیے یکساں ہے، نہ مبرکی داد طمنی ہے اور نہ آہ و فریاد کی شذوانی ہوئی ہے۔ اُنہما تجزیون مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُونَ یہ بوجو کچھ تھا رے سانے آیا ہے تھا رے اپنے ہی اعمال ہیں، اگر تھا رے ساتھ کوئی نہ انھا ہوئی ہوتی اور تم فریاد کرتے تو شذوانی اور فریاد درسی کی توقع کر سکتے تھے لیکن جب تھا ری اپنی ہی کھانی تھا رے سانے آرہی ہے تو فریاد کس کے خلاف کر دے گے اور شذوانی کی توقع کس سے کر دے گے!

إِنَّمَا تَجَزِّدُنَّ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ کے مراد یہ نہیں ہے کہ یعنی وہ اعمال ان کے سانے آئیں گے جو انھوں نے دنیا میں کیے ہوں گے بلکہ مراد ان اعمال کی حقیقتیں ہیں۔ دنیا میں انسان جو عمل بھی کر لے ہے، خواہ یہی کا عمل ہو یا بدی کا، وہ اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک خاص شکل اختیار کرتا ہے اور اسی شکل میں وہ عمل کرنے والے کے سامنے آئے گا۔ اگرچہ اس کی شکل اس سے مختلف ہو گی جس شکل میں وہ اس دنیا میں انجام پایا لیکن چونکہ وہ اسی کی بوئی ہوئی فصل کا حاصل ہو کا اس دو جسم سے فرمایا کہ تم دہی بدرے میں پا رہے ہو جو تم دنیا میں کر کے آئے ہو۔

إِنَّمَا تَجَزِّدُنَّ فِي جَهَنَّمَ وَنَعِيْدُ (۱۷)

مکتبین کے الجام کی نگینی کو واضح تر کرنے کے لیے ان کے مقابل میں 'مشقین' کا صدر والعام بھی بیان فرمادیا۔ مقابل کا اصول دلیل ہے کہ مشقین، سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے پیغمبر کے انذار کا مذاق اڑانے کی جگہ اس کی ہاتھیں گوشِ دل سے نہیں، ان پر غور کیا اور ان کو حذر جان بنایا، فرمایا کہ یہ لوگ بے شک باخون اور نعمتوں میں ہوں گے۔

**فَكِهِينَ بِمَا أَشْهَدَ رَبُّهُمْ وَوَقَهُمْ بِمَا عَذَابَ الرَّحِيمِ (۱۸)**

یہ ان باخون اور نعمتوں سے ان کو بہرہ منداور محفوظ ہونے کی تفصیل آرہی ہے۔ فرمایا کہ ان کے رب نے ان کو جو کچھ بخش رکھا ہو گا اس سے وہ پوری آزادی کے ساتھ محفوظ ہو رہے ہوں گے۔ **بِمَا أَشْهَدَ رَبُّهُمْ** میں جواباً ہم ہے وہ تغییر شان پر دلیل ہے کہ آج کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ ان کا رب ان کو کیا کچھ بخش دے گا۔ ان کی حقیقت اس دن کھلے گی بس دن یہ عطا ہوں گی اور انھیں پرکھیں گی جن کو عطا ہوں گی۔

**وَذَهَّدُوا بِهِمْ عَذَابُ الرَّحِيمِ** کا عطف میرے نزدیک **بِمَا أَتَهُمْ بِهِمْ** پر ہے۔ یعنی وہ اپنے رب کی بخشی ہوتی ہے پایا نعمتوں سے محفوظ اور خاص طور پر اس کے اس فضل پر خوش ہو رہے ہوں گے کہ اس نے ان کو اپنی توفیق بخشی سے درزخ کے فذاب سے محفوظ رکھا۔ لفظ **فَكِهِينَ** میں مرث و ممزنت کا معنوں خود مخفہ ہے اس وجہ سے اس مفہوم کے لیے کوئی الگ لفظ لانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سے یہ بات نکلی کہ جس دفعہ کو اس کے مکتبین آج اپنے مذاق کا مومنوع بنائے ہوئے ہیں اہل جنت قیامت کے دن اس سے نجات پانے کو اپنے رب کا سب سے بڑا فضل و احسان بھیں گے اور اس پر ان کا رواں رواں شکر گزار ہو رہا ہو گا۔ یہ مضمون آگے اسی سورہ میں یوں آیا ہے : **فَأَلَوَّا نَاكِتَ قَبْلُ كَاهِيلًا مُشْفِقِينَ هَمْنَ اللَّهُ عَدِيَّتَنَا دَوْقَنَتَ عَذَابَ السَّمُومِ (۱۹)** (وہ کہیں گے ہم پہلے اپنے اہل دعیا میں بڑے چوکتے ہے ہم تو اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو غذاب کوہم سے محفوظ رکھا)۔  
**كَلَوَا دَأْشَدَبُوا هَنِيَّا بِمَا كَتَتْنَمْ لَعَنَّلُونَ (۲۰)**

یعنی ان لوگوں کو رتپت کی طرف سے بشارت دی جائے گی کہ اب اپنے اعمال کے صلے میں بے قل و غش کھاؤ یہو۔ نہ اس سے کوئی ضرر لاحق ہو گا، نہ اس میں کمی واقع ہوگی اور نہ اس کے لیے تھیں دکھ بھیں پڑے گا۔

'هنی' فعل کے وزن پر صفت ہے۔ اس کے معنی ہیں راس آنے والی چیز۔ یہاں یہ درحقیقت مصدر محدود کی صفت واقع ہے۔ پرانا جملہ یوں ہے : **كَلَوَا دَأْشَدَبُوا أَكْلَادَ شَرِيَّا هَنِيَّا** بعض لوگوں نے اس کو حال کے مفہوم میں لیا ہے لیکن یہ راستہ عربیت کے خلاف ہے۔

**مُتَكَبِّرُونَ عَلَى سُرِّ مَصْفُوفَةٍ وَذَوَّجَهُمْ بِجُوُرِ عَيْنِ (۲۱)**

"مُتَكَبِّرُونَ" دراصل **فَكِهِينَ** کی دھانست، اور یہ کا جملہ **كَلَوَا دَأْشَدَبُوا** ... الایہ بطور جملہ معترضہ آگیا ہے۔

طلب بیرون ہے کہ وہ اپنے رب کی نعمتوں سے محفوظ ہو رہے ہوں گے صرف بر صفت نعمتوں پر بخشہ ہونے صرف بر صفت ہر نماں کی نشت گاہوں کے کامل درج آراستہ ہونے کی بھی تعبیر ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ان میں باہم کامل محبت اور بے تکفی ہو گی اس وجہ سے رُودِ زرد ہر کو بخشیں گے۔ بعض جگہ یہ غیر مُنتسبین کے لفظ سے بھی آدا کیا گیا ہے۔

**دَرَوْ جَهَنَّمَ هُنْدُو دِيَنِينَ**۔ انسان کا کوئی طف دسر و بھی بیوی بچوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ جنت میں یہ نعمت بھی اہل ایمان کے لیے مہیا فرمائے گا۔ اس کی تعبیر کے لیے الفاظ وہ استعمال فرمائے ہیں جن سے ہم اس کافی الجد تصور کر سکیں۔ بھی اس کی اصل حقیقت تو اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ یہ آخرت ہی میں واضح ہو گی۔

**وَالَّذِينَ أَمْنَوْا بِعِنْدِهِمْ دُرَيْتَهُمْ بِإِيمَانِ الْحَقَّنَا بِهِمْ ذَرِيتَهُمْ وَمَا الْتَّنَاهُمْ  
مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَكُلُّ أُمُورِيٍّ بِسَاسَ كَسَبَ رَهِيْنَ (۲۱)**

جنت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مرتب کی تکمیل کے لیے جو اہتمام فرمائے گا اسی سلسلہ میں یہ بثارت ہے لیکن کوئی دلیل نہیں کہ ان کی اولاد میں سے جس نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہو گی اللہ تعالیٰ ان کو بھی ان مرتب کی تکمیل کے ساتھ ملا دے گا اگرچہ وہ اپاں عمل کے اعتبار سے ان کے درجے کے محتوى نہ ہوں۔ اس کیجاٹی کے لیے کوئی مصاطبہ یہ بیان فرمایا کہ دُمَا الشَّنَهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ اولاد کے ایمان کے کرکا جران کے والدین بثارت کے عمل میں کمی کر کے نہیں کیا جائے گا۔ وہ اپنے اسی مرتبہ پر سفر فراز ہیں گے جس کے وہ اپنے ایمان و عمل کے اعتبار سے محتوى قرار پائے ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے ان کی اولاد کے درجے کو اونچا کر دے گا۔

**وَأَبْعَتَهُمْ ذَرِيْتَهُمْ بِإِيمَانِهِنْ بِلْ لفظ ایمان کی تید سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ رعایت صرف اسی اولاد کے لیے خاص ہے جس نے ایمان کے ساتھ اپنے بزرگ کی اتباع کی ہو، اگر وہ ایمان سے محروم ہو تو اس رعایت کی محتوى نہیں ہو گی اگرچہ وہ ان کے اتباع کی کتنی ہی بلند آہنگی کے ساتھ مددعی ہو۔**

لفظ ایمان کی تکمیر سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اس کے مدارج ہیں۔ اگر اولاد کو ایمان کا وہ ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہوا جو اس کو جنت کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا بھی محتوى ٹھہراتا ہے تو وہ اس رعایت کی محتوى قرار پائے گی۔

**وَكُلُّ أُمُورِيٍّ بِسَاسَ كَسَبَ رَهِيْنَ**۔ یہ بیانات سے متعلق اللہ تعالیٰ نے اصل مصاطبہ بیان فرمادیا ہے کہ ہر بیانات سے شخص اپنے عمل کے عوض گرد ہے۔ عمل ہی چھڑاٹے گا، عمل ہی ہلاک کرے گا۔ یہ نہیں ہرگاہ کہ ایمان و عمل متناسق اس۔ کے بغیر بعض نیکوں سے ظاہری نسبت رکھنے کے سبب سے کوئی جنت میں ان کے پاس پہنچ جانے کے لیے اللہ تعالیٰ مصاطبہ اپنا فضل انہی پر فرمائے گا جو اپنے ایمان و عمل سے اس کا استحقاق پیدا کریں گے۔ اس میں یہ وہ اور

مشرکین عرب دونوں کو تنبیہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے دین کو تباہ کل سخن کر کے رکھ دیا لیکن محض ان سے نسبی پرستی کے بل پر جنت کے اعلیٰ مقامات پانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

**ایک بجہ** یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو کہ جب نجات کے باب میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کے عوض میں گرد ہے تو اولاد کا اپنے سے برتر درجہ کے بزرگوں کی صفت میں جا پہنچا کس بنیاد پر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعلق رکھنے والا ہے جو اس نے اپنے با ایمان بندوں کے لیے خاص رکھا ہے۔ اس سے اس ضابطک لفظی ہمیں ہوتی ہو گئی امرویٰ پتا کسبِ رَهِيْدَن<sup>۱۰</sup> کے الفاظ سے بیان ہوا ہے۔ نجات تو بے شک کسی کو ایمان و عمل کے بغیر حاصل ہونے والی نہیں ہے لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے با ایمان بندوں کے مراتب و مدارج میں اپنے فضل سے اضافہ بھی نہیں فرمائے گا۔ ان دونوں چیزوں کے دائرے الگ الگ ہیں۔ ان میں باہم درگ کوئی تقاضہ نہیں ہے۔

**ایک دوسر** اس آیت سے یہ بات بھی مستبط ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح والدین کی خوشی کی تکمیل کے لیے ان کی اولاد کو ان کے ساتھ جمع کر دے گا اگرچہ اولاد اپنے ایمان و عمل کے اعتبار سے ان کے مرتبت کی سزاوار نہ ہو۔ اسی طرح بلطف ربہ اولاد کی سرت کی تکمیل کے لیے ان کے ساتھ ان کے با ایمان والدین کو بھی جمع کر دے گا اگرچہ والدین اپنے ایمان و عمل کے لحاظ سے ان کے درجے کے حق دار نہ ہوں۔ اس استنباط کی دلیل یہ ہے کہ جو تعلیٰ خاطر والدین اور ان کی اولاد کے دریافت پایا جاتا ہے وہی تعلیٰ خاطر اس دوسری صورت میں بھی موجود ہے۔

**اہل بشارت** یہاں اس بشارت کا موقع و محل بھی قابل توجہ ہے۔ اگر کسی شخص کے اندر سچا ایمان ہے تو وہ اپنی اولاد سے متعلق سب سے زیادہ فکر مندا اس بات کے لیے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا آخرت کے ہول اور جہنم کے غاب سے محفوظ رکھے۔ یہ ایمان کو اولاد کو دینیوی کامیابی حاصل ہوں اگر ہوتا بھی ہے تو اس کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت انبیاء اور صالحین نے اپنی اولاد کے لیے جو دعائیں فرمائی ہیں ان میں آخرت کی کامیابی کو مقدم رکھا ہے بلکہ اسی حیر کو اصل کی حیثیت دی ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا تھا جو اس دور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے مُرثت برا اسلام ہوئے۔ ان کے قلوب جب نور ایمان سے متور ہوتے تو ان کو سب سے زیادہ تشویش اپنی اولاد کے دینی مُستقبل سے متعلق ہیں بلکہ اس کے اخروی الجمیں سے متعلق ہوتی۔ ان کی اس تشویش کا اظہار آگئے اسی سورہ کی آیت ۲۶ بڑا تائناً فتاً قبُلُّ فِيْ اَهْدِنَا مُشْفِقِينَ، (بے شک ہم اس سے یہی اپنے اہل عیال کے اندر چکتے اور جزو اور ہے ہیں) سے ہوتی ہے۔ اس آیت کے تحت ہم ان شاء اللہ واحی کریں گے کہ اس میں جس طرف یا تشویش کا حوالہ ہے اس سے مراد ان کا یہ اذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ان کو جس لگتے کا چروانا بنا یا ہے اس کی کوئی بھی بھیر بھیری کا رقم نہ پہنچ بلکہ

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو جاہلیت کی تاریکی سے نکال کر صراط مستقیم کی پداشت بخشی ہے اسی طرح ان کی اولاد کو بھی ایمان کی توفیق نصیب ہوتا کہ ان کو جنت کے ہول سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اہنی با ایمان بندوں کی کشی کے لیے یہ بشارت دی کہ اگرچہ یہ ضبط تو بالکل اٹھی ہے کہ کسی شخص کو نجات ایمان و عمل کے بددی حاصل نہیں ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے با ایمان بندوں پر یہ فضل ضرور فرمائے گا کماں ایمان کی اولاد نے ان کی پسیدی کی تو، گوا ایمان کے اعتبار سے اس کا درجہ فرد تر ہو لیکن اللہ تعالیٰ اولاد کو ان کے ساتھ جمع کر دے گا اور اس بیکجاٹی کے لیے ان کے درجے کو نیچا نہیں کرے گا بلکہ اولاد کے درجے کو اونچا کر دے گا۔

یہ اس بات کی تسلیم ہے کہ ہر شخص اپنی اولاد اور اپنے متعلقین کو ایمان کی راہ و کھانے کی کوشش، اولاد کی اصل جس حد تک اس کے امکان میں ہو، ضرور کرے۔ ایمان کے بغیر کسی شخص کو بھی نجات حاصل نہیں ہوگی اگرچہ کے لیے نکر مند وہ کسی بھی اور رسول کی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ کسی کی اولاد نے اگر ایمان کی راہ اختیار کر رہے کا تسلیم لی تو گوا اس کا ایمان اوفی درجے کا ہی ہو لیکن اس کو اپنے رفیع المزالت بزرگوں کی معیت جنت میں ضرور حاصل ہو جائے گی۔

وَأَهْدَدُ نَهْرٍ فِي قَكْمَةٍ وَلَحْمٍ قَسَّاً يَسْتَهُونَ (۴۴)

یعنی جس طرح ہم ان کی اولاد کو بیکجا کر دیں گے اسی طرح ان کے لیے مطلوب فواکہ اور ان کے درجنوب گوشت میں بھی اضافہ کر دیں گے۔ لفظ احمد دنما اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ تعداد کے اضافے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے رزق و فضل میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

‘فَأَكْمَةٌ’ اور ‘لَحْمٌ’ کے درجنوں لفظوں کے اندر تمام عنادی نعمتیں جمع ہو گئی ہیں، خواہ و تلفکیات کی نوعیت کی ہوں یا غذا کی۔

يَتَّسَّرُ عَوْنَ قِيهَا كَاسًا لَّغُو فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ (۴۵)

یہ اس لطف و سرور کا بیان ہے جس سے وہ جنت میں بہرہ مند ہوں گے۔ فرمایا کہ ان کے درمیان جنت کا جام شراب کے تبارے ہو رہے ہوں گے۔ شاذ عوالم کا میں کے معنی ہیں۔ تعاطوہ اعلیٰ وہ آپس میں ایک مطف و مرہ دوسرے کی طرف شراب کے جام بڑھائیں گے۔ چھین جھپٹ اس لفظ کے لوازم میں سے نہیں ہے۔ لفظ کاس، نظر اور مظروف لیعنی شراب اور جام شراب دونوں کے لیے آتا ہے۔

وَلَا تَغُو فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ

یعنی یہ شراب ان برے اثرات سے بالکل پاک ہوگی جو دنیا کی شراب کے لوازم میں ہے۔ اس شراب سے آدمی نہ تکنی لغو گئی میں مبتلا ہو گا اور نہ کسی پر گناہ کی تہمت لگائے گا۔ ‘أشہہ ناثیما’ کے معنی ہیں اس نے اس کو گناہ کی تہمت لگائی۔ اس دنیا کی شراب کے معاویہ میں سے یہ بھی ہے کہ اس بدستی میں آدمی اپنے حریقوں اور ان کی بیوؤں بیٹیوں پر ہر قسم کی تہمتیں جڑ دیتا ہے جس سے ناز جاہلیت

میں بڑے بڑے خاندانی نعمتیں الٰہ کو ہوتے تھے۔ قرآن نے درسے مقام میں اسی فتنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کے ذریعے سے شیطان تمہارے درمیان عداوت اور بیغنا کی آگ بھڑکانا چاہتا ہے۔ اس کے بر عکس جنت کی شراب ایل جنت کے درمیان الفت و محبت کی عطر بیزی کرے گی، چنانچہ سورہ و قسم میں فرمایا ہے: لَا يَمْعُونَ فِيهَا الْغَوا وَ لَا تَمْشِيَا إِلَّا قِيَلَّا سَلَامًا مَارَ (۲۴-۲۵) (اس میں کوئی نخوا رکنا کی بات نہیں نہیں گے۔ صرف سلام اور جواب سلام کا چرچا ہو گا)

وَ لَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غَلَمانٌ لَهُمْ كَانُوا نَهْرًا مَوْلَوْ مَدْنَوْ (۲۶)

لیعنی ان کی خدمت اور ان کی فرمائشوں کا تعییل کیا یہ ہر وقت ایسے چھوکرے ان کے سامنے حاضر رہیں گے جو اپنی پاکیزگی اور اپنے حن و حمال کے اعتبار سے معلوم ہو گا کہ موتی ہیں جو صرفت میں محفوظ ہے ہیں اور ان کی خدمت ہی کے لیے ان سے نکلے ہیں۔ اہل عرب کسی چیز کی غایت درجہ نقاشت دنیا کت کی تبیر کے لیے دُوْلُوْ مَكْنُونُ مُكْثِير استعمال کرتے ہیں۔ قرآن کے انداز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان چھوکردوں کو خاص اسی مقصد کے لیے پیدا کر دے گا۔ بعض لوگوں کی راستے اس کے خلاف بھی ہے لیکن ان کے حق میں کتنی دلیل نہیں ہے اس وجہ سے اس پر تائید کی ضرورت نہیں ہے۔

وَ أَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ (۲۵)

جنت میں مجتمع ہو جانے کے بعد، جس طرح ایک دراز اور کمین سفر کے مافروضے میں اسی میں اپنے کرایک دوسرے ایل جنت کے سے دریافت حال کرتے ہیں اسی طرح ایل جنت ترکیب کر ایک درسے کی طرف متوجہ ہوں گے اور پڑھنے کے لیے ربانی جلال کے کہیں کہیے کیسے گزری، راہ میں کہیں کھاٹیوں سے گزرنا پڑا، منزل تک کس طرح پہنچنا ہوا اور یہ ایل دعیال کی یکجا ٹیکیسے نصیب ہوتی۔

فَأَنُوا إِلَيْهَا أَكْثَرَ أَقْبَلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ (۲۶)

جواب دینے والے جواب دیں گے کہ ہم اس سے پہلے دنیا میں اپنے اہل دعیال کے اندر ڈرنے والے رہے ہیں۔ اپنی عاقبت کے ساتھ برابر ان کی عاقبت کی بھی ہمیں نکر دی ہے۔ ہم اس غور میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے کہ ہمارا بڑا خاندان اور بڑا کنبہ و قبیلہ ہے اور اس دنیا میں ہمیں جو کچھ حاصل ہے یہ ہمارا پیدائشی اور خاندانی حق ہے، اس کو کوئی ہم سے چھین نہیں سکتا۔ ہم نے آجڑت کو ہمیشہ پیش نظر کھا اور اپنے رب سے برابریہ دعا کی کہ قیامت کے دن وہ ہمیں صالیحین کے سر براد کی حیثیت سے اٹھائے، فتنات کے پیشوائی حیثیت سے زاٹھائے۔ ہم نے اپنی اولاد کو ہمیشہ فراز، زکوٰۃ اور خدا سے ڈرتے رہنے کی تائید اور دین حق پر جیسے اور اسی پر مرئے کی وصیت کی۔

فَمَنْ أَنْتَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَنَا عَذَابَ السَّمُومِ (۲۷)

ہمارے اس خوف و اندیشہ کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہم کو اور ہماری اولاد کا اس

بہشتیں بیکھا کر دیا اور آتشِ دوزخ کی ہوائے رُم سے اس نے ہمیں محفوظ رکھا۔ صمدیز جو انے گرم اور آگ کی آپنے کو کہتے ہیں میر اسلوب بیان اللہ تعالیٰ کی غایت درجہ لطف و احسان کی تبییر کے یہے وہ اختیار فرمائیں گے مطلب یہ کہ دوزخ اور آتشِ دوزخ تو در کنارِ اللہ تعالیٰ نے اس کی ہوائے گرم سے بھی ہمیں محفوظ رکھا۔

**إِنَّا كُنَّا مِنْ تَبْلِيلٍ مَذْعُودٍ هُوَ أَبْرَادُ الدَّجِيْمُ (۲۸)**

اس جملہ کا تعلق اور واقعہ جدراً ناگناً تَبْلِيلٍ فِي الْهَلْكَاتِ مُشْبِقِيْنَ سے ہے۔ یعنی ایک توکرہ کیم انسان کی بہانہ اپنے اہل و عیال کے اندر ڈر نئے ڈالے رہے ہیں، ووسرے یہ کہ ہم خوف اور طمع، ابتداء و میم برخا بیں تَدْرِیسی کو پکارنے والے ربے ہیں۔ اس کے سوا کسی اور کچھ بھی ہم نے زُبایقی دی اور زُکسی کو اس کا شرکیں۔ وہ بیم جانا۔ کمیت عینہ اس جملہ کو اصلاح آتا تو اور واقعہ جلد ہمیں کے ساتھ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی بادرت ظاہر کرنے تو یہ کہے کے یہے قَمَّةُ اللَّهِ عَلَيْنَا... لاَيْدَى کو اس پر مقدم کر دیا اور اس کو موخر کر دیا۔ اس تاخیر میں یہ بلاعثت ہے کہ انسان کی نسبات میں اصل عاقل کی حیثیت عقیدہ توحید کر حاصل ہے۔ جس نے اس کی حفاظت کی وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا مستحق تھا اور جس نے اس میں خرابی پیدا کی اس نے اپنی عاقبت برباد کی۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس عقیدے میں مستحکم رہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ احسان فرمایا۔

**إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الْدَّجِيْمُ**، یہ فقرہ غایت درجہ منزنتیت کے اظہار کے طور پر وہ فرمائیں گے کہ وہ بڑا ہی باونخا اور بڑا ہی مہربان ہے کہ اس نے صرف دو قام و عدے پر سے کیے جو اپنے بندوں سے کیے، بلکہ ان کو اپنے کرم مزید سے بھی فرازا۔ لفظ بڑا کی تحقیق اس کے محل میں گزر رکھی ہے۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر آتا ہے تو اس کا معنو یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں سے ہر وعدے کیے ہیں وہ سب کو پورا کرنے والا ہے۔ صدقی اور فنا اس لفظ کی اصل روایت ہے۔ اس کے ساتھ دحیم کا اضافہ اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ صرف دعوے ہی پورے کرنے والا نہیں، بلکہ بندوں کی کوتا ہیں جو دگز رکر کے ان کو اپنے مزید افضل سے نواز نے والا یعنی ہے۔

## ۲۔ آگے آیات ۲۹-۳۰ کا مضمون

آگے کی آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے کہ تم ان لوگوں کی یادہ گوئیوں کی پروایتے بغیر اسی قرآن کے ذریعے سے تذکیر کرتے ہو۔ جو لوگ تمہاری تکذیب پڑاڑے رہیں گے وہ خود اپنی شاشت بلائیں گے۔ اسی ذیل میں مخالفین کی ان باتوں کے گلکت جواب بھی دیے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت میں وہ کہتے تھے اور جن کی طرف اور لفظ خونم سے اشارہ فرمایا ہے۔ ان کی اس ساری سخن سازی کو قرآن نے مخفی ایک چال فرار دیا ہے اور یہ اطمینان دلایا ہے کہ اس چال سے وہ دعوت جن کو کوئی نفعانہ پنجا سکبیں گے بلکہ یہ انہی کے خلاف پڑے گی۔ آخر میں آپ کو تسلی دی ہے کہ ان کو کوئی بڑے سے بڑا سمجھہ

بھی قائل کرنے والا نہیں بننے گا، یہ اسی دن قائل ہوں گے جس دن تیامت ان کے مر پر آگھڑی ہو گی اور ہر پہلو سے ان کی بے نسب اپنے پر واضح ہو جائے گی تو تم صبر کے ساتھ اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کرو اور اس صبر کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ اپنے رب کی تسبیح کا اعتمام کرو۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات  
۴۹-۴۹

فَذَكِّرْ قَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنَ وَلَا مَجْنُونٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ  
شَاعِرُنَ تَرَبِّصُ بِهِ رَبِّ الْمُنْوْنِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوا فِي نَّمَاءٍ مَعْكُمْ  
مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ۝ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ  
قَوْمٌ طَاغُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فَلَيَا تُوا  
بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صِدِّيقِينَ ۝ أَمْ خَلَقُوا مِنْ عَيْرٍ  
شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَلِقُونَ ۝ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ  
لَا يُؤْفِنُونَ ۝ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصْبِطُونَ ۝  
أَمْ لَهُمْ سُلْطَنَةٌ يُسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلَيَأْتِ مُسْتَأْمِعُهُمْ بِسُلْطَنٍ  
مِنْ ۝ أَمْ لَهُ الْبَنْتُ وَلَكُمُ الْبَنْوُنَ ۝ أَمْ تَسْلِهِمَا جُنَاحًا  
فَهُمْ مِنْ مَغْرِمٍ مُشْقَلُونَ ۝ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ۝  
أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ۝ أَمْ لَهُمُ اللَّهُ  
عِيُورُ اللَّهِ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَإِنْ يَرُوا كِسْفًا مِنَ السَّماءِ  
سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَرْكُومٌ ۝ فَذَرُهُمْ حَتَّى يُلْقَوْا يَوْمَهُمْ  
الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُ هُمْ شَيْئًا  
وَلَا هُمْ يُصْرُوْنَ ۝ وَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا عَدَّا إِنَّمَا دُونَ ذَلِكَ  
وَلِكُنَّ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِهِ

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِبْنَ تَقْوُمٍ ۝ وَهُنَ الَّذِلِ فَسِّبِّحُهُ وَادْبَارُ النَّعْوَمٍ ۝

پس تم یا دوہانی کرتے رہو، اپنے رب کے فضل سے نہ تم کوئی کاہن ہو اور نہ کوئی ترجمہ آیات دیوانے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے جس کے لیے ہم گردش روزگار کے منتظر ۴۹-۴۹

ہیں! ان سے کہہ دو کہ تم انتظار میں رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں کیا ان کی عقلیں یہی باتیں ان کے سچائی ہیں یا یہ ہیں ہی سرکش لوگ! کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو اس نے خود ہی گھٹا ہے! بلکہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ پس یہ اس کے مانند کوئی کلام لائیں، اگر یہ سچے ہیں۔ ۲۹ - ۳۳

کیا یہ بغیر کسی خاتق ہی کے پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود ہی خاتق ہیں! کیا انہی نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے، بلکہ وہ لقین نہیں رکھتے۔ ۳۵ - ۳۶

کیا انہی کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں یا وہ ان پر داروغہ مقرر ہیں! کیا ان کے پاس کوئی ایسی شیر ہی ہے جس پر چڑھ کر وہ آسمان کی باتیں سن لیتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ان کا سنبھال والا کوئی واضح دلیل پیش کرے۔ کیا اس کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے بنیٹے! ۳۸ - ۳۹

کیا قم ان سے کسی عوض کے طالب ہو کر وہ اس تاوان کے بوجھ تلتے دبے جاہے ہیں! کیا ان کے پاس علم غیب ہے؟ پس وہ خود ہی لکھ لیتے ہیں۔ کیا وہ کوئی چال چلنی چاہتے ہیں تو یاد رکھیں کہ جھون نے کفر کیا وہی اس چال میں گرفتار ہوں گے۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی مبسوط بھی ان کے لیے ہے؟ اللہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شرکیہ

گردانتے ہیں۔ ۳۰ - ۳۳

اور اگر یہ آسمان سے کوئی حکم دا بھی گرتا ہوا دیکھیں گے تو کہیں گے یہ تو تہ برتا دل ہے  
تو ان کو چھپوڑو، یہاں تک کہ یہ اپنے اُس دن سے دو چار ہوں جس دن ان کے ہوش  
جاتے رہیں گے۔ جس دن زان کی چال ان کے کچھ کام آئے گی اور نہ ان کی کوئی مدد ہی  
ہوگی۔ ۳۶۰ م ۳

اور ان ظالموں کے لیے اس کے سوا بھی عذاب ہے لیکن ان کی اکثریت اس کو  
ہمیں جانتی اور تم صبر کے ساتھ اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ بے شک قم ہماری  
آنکھوں میں ہو۔ اور اپنے رب کی تسبیح کرو، اس کی حمد کے ساتھ، جس وقت قم اٹھتے ہو۔  
اور شب میں بھی اس کی تسبیح کرو اور تاروں کے پیچے ہٹنے کے وقت بھی۔ ۳۹۰ م ۴

### ۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

فَدَكِرْفَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَاهُنْ وَلَا مَجْنُونٌ (۴۹)

‘ف’ کے ذریعہ سے عطف دلیل ہے کہ یہ بات جو فرمائی جا رہی ہے متفرع ہے ابھی باقی پر  
آخرت کو تسلی جو اور گزر چکر ہیں۔ اور اپنے دیکھا کہ قرآن کے اندازِ عذاب کی صداقت ثابت فرمائی گئی ہے۔  
اس کے بعد یہ آخرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالدارِ تسلی خطاب کر کے ارشاد ہو اک تم جو یاد دیانتی کر رہے ہو  
وہ کرتے رہو، مخالفین کے طعنوں اور کچوکوں کی پرواہ کرو۔ اگر یہ تمھیں کاہن یا خطبی کہتے ہیں تو انھیں  
بکواس کرنے دو۔ تم اپنے رب کے فضل سے نہ کوئی کاہن ہو نہ کوئی دیوانے۔

‘بِنِعْمَتِ رَبِّكَ’ کے الفاظ یہاں دلیل کے محل میں ہیں۔ یعنی قم پر تھا رے رب کا جو فضل و انعام ہے  
وہ ایسی چیز ہیں ہے کہ آنکھیں اور عقل رکھنے والوں سے وہ مخفی رہ سکے۔ تھا ری زبان فیض ترحیمان  
سے اللہ تعالیٰ نے جو حشمت و محکمت و معرفت جا رہی کر رکھا ہے اس کو کاہنوں کی خرافات سے کیا تعلق!  
تم جسی کردار کے حامل ہو، کس کاہن کے اندر اس کا کوئی ادنی پر تو بھی پایا گی جسے؟ تم راستبازی اور حقیقتی کوئی  
کے ظہر کا مل ہو، اور کاہن دروغ گرا اور پاٹیئے ہوتے ہیں۔ تم روح القدس سے نیض پاتے ہو اور کاہن  
شیاطین سے الہام حاصل کرنے کے لیے کان لگاتے ہیں اور اس میں بھی وہ بالکل مجھوٹی نمائش کرتے ہیں۔

اس طرح نام کو جو دیا اس کہتے ہیں وہ خود دیوں نے ہیں۔ آخر قسم سے بڑا فزادہ، ذہنی ہوش، دانش مندا در حکیم الحنوں نے کس کو پایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خالقین کا یہ اہم ان کے اپنے فنیہ کے بالکل خلاف تھا اس وجہ سے اس کی تردید میں زیادہ دلیلیں دینیں کی ضرورت نہیں تھیں۔ اس کی نعموت خود اہم لگانے والوں پر واضح تھی۔ وہ بعض عوام کو بے تووف بنانے کے لیے اس طرح کی باتیں کہتے تھے۔ سورہ شعرا کی تفسیر میں یہم نے اس کے تمام ضروری پہلو واضح کر دیے ہیں۔ ایک نظر اس پر ڈال لیجیے۔

أَهْلِيَقُولُونَ شَاعِرٌ فَتَوْبَصُّ بِهِ رَبِّ الْمُتُوْنِ هُوَ الْمُتَّبِعُ تَرَبُصُوا فِي مَعْكُمْ مِنْ

الْمُتَّرَبِّصِينَ (۳۱-۳۰)

یہ ان کے دوسرے الزام کا حوالہ ہے۔ فرمایا کہ کیا یہ لوگ تھیں شاعر کہتے ہیں اور یہ تو قرئ رکھتے ہیں خالقین کے کو جس طرح دوسرے بہت سے شاعر اپنی اپنی بولیاں بول کر اڑ گئے اسی طرح گردش روڑ گارا یک دن تھیں ایک الزام کا بھی فنا کر دے گی۔ فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس انتشار میں ہیں تو ان سے کہہ دو کہ تم لوگ انتشار کرو، میں بھی انتشار بجا بیوں کر میں جو دعید قم کو سارا یا ہوں وہ پوری ہوتی ہے یا تم جو خواب دیکھ رہے ہے ہو وہ سچا ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالقین آپ کو بھوت عزیز تھے تو اس کی وجہ، جیسا کہ ہم جگہ جگہ واضح کرتے آرہے ہیں، یہ نہیں تھی کہ وہ فی الواقع آپ کو کوئی شاعر سمجھتے تھے، بلکہ اس الزام سے وہ اس اثر کو مٹانا چاہتے تھے جو قرآن کے زور سیاں اور اس کی بلاعنت وجہات سے لوگوں کے دونوں پر پڑتا تھا اور جس کے سبب سے اس کے کلام الہی ہونے کی بہت لوگوں پر بیٹھتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے پریوں کو یہ باور کرنا چاہتے تھے کہ قرآن میں جزو دوسرے یہ اسی طرح کا ہے جس طرح کا زور ہمارے بعض بڑے شاعروں کے کلام میں ہے اس وجہ سے اس کو وحی والہم کا درجہ دے کر نہ تو کسی عذاب کے انذیرہ میں مبتلا ہونے کی ضرورت ہے اور نہ اپنے دین آبائی سے مایوس ہونے کی۔ جس طرح ہمارے شاعروں کے کلام کی ان کے دور میں بڑی دھوم رہی ہے، لیکن پھر نہ وہ باقی رہے اور نہ ان کی شاعری، اسی طرح چند دن اس شخص کی فحاشت بلاعنت کا تاثا بھی دیکھ لے، بالآخر اس کو بھی گروش روڑ گار مٹا کے رکھ دے گی۔

هُوَ الْمُتَّبِعُ تَرَبُصُوا فِي مَعْكُمْ مِنْ الْمُتَّرَبِّصِينَ فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس انتشار میں ہیں تو ان کو بتا دو کہ تم لوگ بھی انتشار کرو، میں بھی انتشار کر رہا ہوں کہ قصاری یہ ملیخ غلام پوری ہوتی ہے یا یہ رہب نے تم کو جس چیز سے ڈرایا ہے وہ ظاہر ہو کے رہتی ہے۔

الْمُتُوْنُ کے معنی 'الدہر' یعنی زمانہ کے ہیں۔ محاورہ ہے: داد علیہم المتر، وہ گردش روڑ گا کی نذر ہو گئے۔ رَبِّ الْمُتُوْنِ کے معنی ہیں حوارث روڑ گار۔ خالقین کے اس الزام کی مفصل تردید قرآن نے سورہ شعرا میں کیا ہے۔ وہاں چند نہایت واضح

کسرویاں بھی ترکان نے لوگوں کے ساتھ رکھ دی ہیں جن پر کوئی فحیصلہ کر سکتا ہے کہ قرآن اور اس کے حامل کو شرعاً و رشاعری سے دور یا قریب کا کوئی واسطہ ہے یا نہیں۔ ہم نے بھی اس کے ہر پہلو پر وہاں فحیصل سے گفتگو کی ہے۔

۱۰۷۸ امر هم أحلا مهم لہذا امر هم قوم طاغون (۲۲)

یعنی معاملہ دشکلوں سے خالی نہیں یا تو فی الواقع ان کی عقلیں بھی کچھ ان کو سمجھا رہی ہیں کہ تم اللہ کے نذلین کی خلافت کا اہل رسول نہیں بلکہ ایک کامیں، مجنون اور رشاعر بوسایہ بات ہے کہ یہ لوگ اپنی سرکشی کے باعث تمہاری بات سبب اندک مانند کے لیے تیار نہیں ہیں اس وجہ سے تکذیب کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی بات کا امکان تو بہت بعید ہے مگر کوئی عاقل تحدیت سے بھی صداقت شمار، راست باز، عاقل، فرزانہ، میتین، رزین، مومن، مسلم، خلیف اور حکیم کو کامیں، مجنون اور شاعر کس طرح قرار دے سکتا ہے! اگر کوئی یہ جاہارت کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عقل سے بالکل عاری ہے۔ اب مرٹ دوسرا امکان باقی رہ جاتا ہے کہ یہ لوگ نہایت سرکش ہیں اور اس سرکشی ہی کے سبب یہ سخن سازیاں کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہاں کی یہ سرکشی ہی ان سے یہ باتیں کہلو رہی ہے۔ عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

۱۰۷۹ اُرْيَقِيلُونْ تَقْوَلَهُءَ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ هَ فَلَيَأْتُوا بِعِدِيَّثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا

صلی اللہ علیہ وسلم (۲۲-۲۳)

ایک اور ادالہ ایک اور الزام کا حوالہ اور اس کا جواب ہے۔ فرمایا کہ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو گھر طرا کا جایہ تو انہوں نے خود ہے لیکن اپنی نہوت کی دھونسی جانے کے لیے دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کے ذریعے سے ان پر آتا رہے۔ «تَقْوَلَهُءَ» کے معنی کسی پر جھوٹا بہتان لگانے کے ہیں۔ یہی مفہوم دوسرے مقامات میں بُلْ افْتَدَهُ سے ادا کیا گیا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک یہ کتاب ہے ترکان کی اپنی طبع زاد لیکن عوام فربی کے لیے جھوٹ موت یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے آتا رہی ہے۔

«بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ» یہ اصل حقیقت کا اظہار ہے کہ ان کا یہ الزام بھی ان کے اپنے ضمیر کے بالکل خلاف ہے۔ ان کو پڑا یقین ہے کہ یہ کتاب تمہاری تصنیف نہیں ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح کا کلام نہ تم پیش کر سکتے ہو، نہ کوئی دوسرا پیش کر سکتا ہے لیکن یہ اس پر ایمان نہیں لانا چاہتے اس وجہ سے یہ اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ سخن سازی کر رہے ہیں۔ یہاں فعل ہمارے نزدیک ارادہ فصل کے معنی میں ہے۔ اس کی شاییں اس کتاب میں جگر بگد گزر چکی ہیں۔

۱۰۸۰ فَلَيَأْتُوا بِعِدِيَّثٍ ..... الایتہ یہ ان کے الزام کے جواب میں ان کو جذب ہے کہ اگر فی الواقع وہ اس کو سینکر کی اپنی تصنیف گماں کرتے ہیں تو وہ اپنے خطیبوں اور شاعروں کے کلام میں سے کوئی چیز اس کے مانند پیش کریں، خواہ وہ ان کے پر اتنے ذخائر میں سے ہو یا اب وہ خود مر جو مرکب بیٹھیں اور کوئی چیز

اس کے جواب میں پیش کریں۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکیں (اور بزرگ نہیں کر سکتے) تو پھر راستبازی کا تقاضا ہے کہ اس الزام کو والپس لئیں اور پھر کو صادق دایین، ان کو اس پر ایمان لائیں۔

یہ بات یہاں محوظر ہے کہ قرآن نے یہ بات فرمائی تھی کہ قریش کے جواب میں، اور انہی کے جواب میں یہ فرمائے کی تھی بھی لیکن یہ چیخ آج بھی علی حالت قائم ہے۔ قرآن کے مذکورین نے قریش نے قدم ادبی و مذہبی ذخیرہ میں سے اس کے مانند کوئی چیز پیش کر سکے، نہ خود ہی کوئی چیز ایجاد کر سکے اور نہ بعد کی پوری تاریخ میں کوئی ایسی چیز سامنے آئی جس کو اس چیخ کا جواب قرار دیا جاسکے۔ دنیا کی غیر عرب قوموں کے لیے یہ چیخ برا و ماست نہیں ہے۔ تاہم وہ بھی طبع آزمائی کر کے دیکھ سکتی ہیں کہ وہ کوئی چیز اس کے پائے کی لاسکتی ہیں یا نہیں۔ پھر یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ قرآن کی یہ تحدی کسی ایک سی پہلو سے نہیں بلکہ بحثیت مجرمی ایک صحیحہ ہدایت ہونے کے پہلو سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی قوم یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ اس کے شاعر کے پایہ کا کوئی شاعر یا اس کے خطیب کے دربے کا کوئی خطیب دنیا میں نہیں ہے لیکن اول تریہ دعویٰ ہی مغل نظر ہے، دوسری قوم اس کے جواب میں اپنے خطیب یا شاعر کے حق میں یہی دعویٰ کر سکتی ہے لیکن کسی کا یہ دعویٰ تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ زیادہ سے زیادہ کسی ایک بزرگ میں برتری کا دعویٰ ہو گا جس کو کوئی شخص نہ اپنے نبی ہونے کے ثبوت میں پیش کر سکتا ہے اور نہ کوئی عاقل اس بنیاد پر اس کو نبی یا رسول ہان سکتا۔

أَمْ خَلِقُوا مِنْ عَيْرِ شَيْءٍ ۝ أَمْ هُمُ الْخَالقُونَ ۝ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۝ بَلْ لَا

یُوْقِنُونَ (۳۴-۳۵)

مکہ میں کے اعتراضات و اتهامات کے جواب دینے کے بعد اب یہاں سے چند سوالات کیے گئے ہیں۔ متنہیں سے کہ اگر وہ عذاب اور آنکھ کے منکر ہیں تو یہ بتائیں کہ کیا وہ بغیر خاتم ہی کے پیدا ہو گئے ہیں یا خود ہی اپنے خاتم ہیں؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ کیا آسمانوں اور زمین کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟

یہ امر واضح ہے کہ مشرکین عرب اپنا اور تمام آسمان و زمین کا خاتم اللہ تعالیٰ ہی کر ملتے تھے۔ وہ اپنے دعویٰ کا ادراہ سے کسی کو کسی چیز کا خاتم ہیں مانتے تھے۔ یہ سوال قرآن نے ان کے ملنے کو کے گویا ان سے یہ پوچھا ہے کہ جب وہ اپنا اور آسمان و زمین کا خاتم اللہ تعالیٰ ہی کر مانتے ہیں تو اس کے مذاہ اور اس کے روزِ جزا و سزا کو کیوں بعد ازاں اسکا سمجھتے ہیں؟ کیا ان کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ ان کو پیدا کر کے اب دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہو گی؟ اگر وہ ایسا سمجھتے ہیں تو یہ ایک کھل ہری حق است ہے۔ جو چلی بار پیدا کرنے پر قادر ہوا وہ دوسری بار پیدا کرنے پر بدرجہ اولی قادر ہو گا۔

اسی طرح وہ یہ بھی سوچیں کہ جب وہ خود اپنے خاتم ہیں ہیں بلکہ کسی اور نے ان کو پیدا کیا اور ان کی معاش و میثاث کا سامان کیا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ان کو یہ نہیں چھوڑے رکھے اور کسی دن ان سے یہ نہ پوچھے کہ اس نے ان کو جس تقدیر کیے ہے پیدا کیا تھا اس کو انہوں نے پورا کیا یا نہیں؟

علیٰ ہذا القیاس وہ یہ بھی سوچیں کہ جس زمین پر اور جس آسمان کے نیچے وہ رہتے ہیں اور جن کی گزناگر نہیں  
سے وہ متنبھ ہوتے ہیں، دراہنخایکر نہ زمین ان کی پیدائشی ہرئی ہے نہ آسمان اور زمان کے دریان کی نہیں،  
تو یا جس نے ان کو پیدائیا ہے اس کا کوئی حق ان پر تھا تم نہیں ہوتا اور اس کے بنائے ہوئے اس گھر میں اپنے  
روتیے سے متعلق وہ اس کے آگے جواب دہ نہیں ہوں گے ہے

اسی طرح وہ یہ بھی سوچیں کہ جب نہ زمین ان کی پیدائشی ہوئی ہے نہ آسمان تو آخر کس بنتے پر آسمان و  
زمیں کے خاتم سے اپنے کو وہ بے خوف و مامون سمجھتے ہیں۔ وہ جب چاہے زمین کو دراہ سا ہلارے اور یہ  
بالکل بے نام و نشان ہو کے رہ جائیں، اس طرح جب چاہے آسمان سے طوفان بھیج دے، اولے بر سارے،  
پتھرا کر دے اور چشم زدن میں ان کو صفوٰ ہستی سے ٹھادے۔

**اصل حقیقت** **بیل لایلہ قیصون** ۔ یہ ان کے اعراض و انکار کی اصل حقیقت سے پرداہ اٹھایا ہے کہ یہ ان تمام اصول  
باتوں کو تو مانتے ہیں جو آخرت اور جزا و نہار کو لازم ٹھہراتی ہیں، ان میں سے کسی بات کے انکار کی وجہ  
نہیں کر سکتے لیکن اس بات پر وہ یقین نہیں رکھتے کہ فی الواقع وہ عذاب کے متعلق ہیں اور اگر انہوں نے  
اپنی روشن نہ بدلی تو ایک دن وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آجائیں گے۔ یہاں **یوں قیصون**، کا  
مشمول بالآخرۃ، یا بالعذاب، بر بنائے قریبہ مخدوم ہے۔

ہم یہ حقیقت جگہ جگہ واضح کرتے آ رہے ہیں کہ مشرکین قریبہ قیامت کے صریح منکر نہیں تھے اس کو  
وہ ایک نہایت مستبعد چیز سمجھتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ قیامت اور عذاب و ثواب کا قصد اول تر مرض  
ایک دہم ہے؛ شاید اس کی کچھ حقیقت ہے بھی تو یہ اتنی دور کی چیز ہے کہ اس کے لیے ابھی سے فکر مند ہرے  
کی ضرورت نہیں ہے؛ ثالث اس کا مرحلہ بالفرض آیا بھی تو ہمارا صاحبو ہمارے دیوتاؤں سے متعلق ہو گاء  
وہ اپنی سفارش سے ہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا ہی لیں گے۔ اسی طرح وہ اس عذاب پر بھی یقین نہیں  
رکھتے تھے جس سے قرآن ان کو بصورتِ تکذیب اس دنیا میں آگاہ کر رہا تھا۔ وہ اپنی موجودہ خوشحالی  
کو اپنے عقیدہ و عمل کی محنت کی دلیل بنائے بیٹھتے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ اگر فی الواقع وہ خدا کے غصب  
کے مژاداً رہوتے، جیسا کہ پتیر ہوا ران کے ساتھی کہتے ہیں، تو ان کا حال دنیوی رفاقتیت کے اعتبار سے  
پتیر ہوا ران کے ساتھیوں سے بہتر کریں ہوتا؟ پھر تو صورتِ حال اس کے بالکل بر عکس ہوئی تھی۔

ان کی اس ذہنی حالت پر غور کیجیے تو حکوم ہو گا کہ اصلًا یہ عدم یقین ہی کی صورت ہے۔ اصل حقیقت  
سے تو ان کے لیے فرار کی کوئی گنجائش نہیں تھی نہیں۔ اس کے تمام مقدمات ثابت اور معلوم تھے۔ انہی، آنفان  
تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے قام شاہد اس کے حق میں موجود تھے اور قرآن نے وہ سب ان کے سامنے رکھ  
بھی دیے تھے لیکن چونکہ اس کو تسلیم کرنا ان کی خواہش کے خلاف تھا اس وہ سے وہ جان کر انجان بنتے  
تھے۔ یہ یقین نہیں رکھتے تھے کہ فی الواقع یہ چیز ایک دن پیش اکے رہے گی۔

جزیہ غور کیجیے تو یہ حقیقت بھی آپ کے سامنے آئے گی کہ عدم یقین کی اس بیماری میں جس طرح قریش مبتلا تھے اسی طرح اس زمانے کے بہت سے مسلمان بھی مبتلا ہیں۔ ان کو قیامت اور جزا و سزا سے انکار نہیں ہے لیکن ان کی زندگی شاہد ہے کہ ان کو اس کا یقین نہیں ہے اور ان کے اس عدم یقین کے اسباب کا تجزیہ کیجیے تو معلوم ہو گا کہ یہ بھی اسی طرح کی کسی غلط فہمی کے شکار ہیں جس طرح کی غلط فہمیوں میں مشکلین مبتلا تھے۔

### أَهْرَعْنَادُ هُمْ خَرَاٌنِ رَيْدَكَ أَهْرَهُمَا الْمَصِيطَرُونَ (۲۸)

جس طرح کے سال اور پر کل دوآیتوں میں کیجیے ہیں اسی طرح کا سوال یہ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایک اور اپنے یا آسمان و زمین کے خاتم نہیں تو کیا تیرے رب کے خزانوں کے مالک یا ان پر دار و غرہ ہیں کروہ خدا کی سال پکڑ سے بے نکل ہیں! یعنی جس طرح وہ آسمان و زمین کے خاتم ہونے کے مدعی نہیں ہو سکتے اس طرح اس بات کے بھی مدعی نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رزق و فضل کے خزانے ان کے ہوا لے کر دیے ہیں یا ان کی تقیم پر ان کو ماورہ کر دیا ہے کہ جس کو چاہیں دیں، جس کو چاہیں نہ دیں۔ پھر ان کو یہ غرضہ کیوں ہے کہ وہ خدا کی کپڑ میں نہیں آسکتے یا جس عیش میں وہ ہیں اسی میں رہیں گے، زاس دنیا میں وہ اس سے محروم ہو سکتے اور ناخوت میں (اگر وہ ہوئی) اس سے ان کو کوئی حرم کر سکتا؟ قرآن نے جگ جگ قریش اور ان سے پہلے کی تو مولوں کے متوفین کے اس زعم کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے اپنی رفاقتی کو اپنا پیدائشی حق سمجھا اس وجہ سے پیغمبر کے انذار کو خاطر میں نلاشے۔ یہ ان کے اسی خatas پر ضرب لٹکاتی ہے کہ جب زرودہ خدا کے خزانوں کے مالک نہ ان کی تقیم پر پامور تر اس خطبے میں مبتلا ہونے کیا وجہ ہے؟ اللہ تعالیٰ جب چاہے چشم زدن میں ان کے سارے عیش کو خاک میں ملاوے سکتا ہے اور اپنی نعمتوں سے ان کو پہرہ مند کر سکتا ہے جن کو یہ کسی نعمت کا حق دار نہیں سمجھتے۔

قرآن نے یہی بات، معمولی تغیرات فاظ کے ساتھ، قریش کی ان مفردوں کو بھی خطاب کر کے فرمائی ہے جو کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بشر ہی کو رسول بنائے کریمہ والا ہوتا تو کہ یا طائف کے کسی رئیس کو رسول بناتا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجیسے غریب و نادار کو کیوں رسول بناتا؟ اسی طرح اگر یہ دین، جس کی یہ دعوت نہ ہے ہیں، کتنی خدائی دین ہوتا تر اس کے حامل بننے کے لیے اللہ تعالیٰ ہم کو چنتا نہ کراس کے حامل وہ نادار قلاش اور غلام بفتے جن کو اس دنیا کی کوئی نعمت و عزت بھی حاصل نہیں ہوئی — اس آیت میں ان مفردوں کے غدر پر بھی ایک کاری ضرب لگا رہی گئی ہے۔

### أَمْلَهُمُ سَلَمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ وَ قُلْيَاٌ تَمُسْتَمِعُهُمْ سُلْطَنٌ مَّبِينٌ (۲۹)

یعنی اگر ان کا زعم یہ ہے کہ وہ اسی طرح دنیا میں بھی عیش کریں گے اور آخرت ہوئی تو وہاں بھی سب پر کفار کے بالا رہیں گے تو اس زعم کی بنیاد کیا ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس کو آسمان میں لگا کر اپنے حق میں اللہ کے قبیلے سن لیا کرتے ہیں؟ کیا ان پر کوئی کتاب نازل ہوئی ہے جس میں ان کی اپنی کسی سب تھیں

لکھی ہوئی ہیں، کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی براحت نام لکھ کر کپڑا دیا ہے کہ تم جو چاہے اودھم مچاتے پھردا ہم  
زدنیا میں تم کو کچھ کہیں گے ز آخرت میں تم سے کتنی باز پرس ہوئی ہے، اگر اس طرح کی کوئی خبران کے کسی  
آسمانی نہر نے ان کو پہنچائی ہے تو وہ اس کے حق میں کرتی واضح دلیل پیش کریں۔

یہاں یہ بات اجمالی کے ساتھ فماٹی گئی ہے۔ سورہ تلم میں یہ پوری وضاحت کے ساتھ آتی ہے۔  
ہم نے آیت کی تفسیر سورہ قلم کی روشنی پہلوں کی ہے اس وجہ سے متعلق آیات نقل کیے دیتے ہیں تاکہ کسی کو یہ  
شبہ نہ ہو کہ ہم نے تاویل میں تکلف سے کام لیا ہے۔ دیاں فرمایا ہے:

أَمْرَكُوكِبْرِيَّثْ رَفِيْهِ تَدْ دُسُونَ لَا  
كِيَا تَحَارَّسَ بِإِلَيْكَ تَابَ هَبَّ مِنْ دَهِيَّ تَابَ  
إِنَّ لَكُمْ نِيَّةً لَمَاءِ حَيَّرَوْنَ هَمَّ أَمْرَ  
مَرْقُومَ هِيَ جَرْمَ جَاهَتْ هَرَبَ إِلَيْكَ ہمَّ نَتَّقَتْ قَمَ سَيَّاتْ  
نَكْمَ أَيْمَانَ عَلَيْنَا بِالنَّعَةِ إِلَى بُوْرَمَلَفِيَّةَ  
سَكَ كَرِيَّيْلَهَ عَهْدَ كَرِيَّكَهَ ہِيَنَ كَرْتَمَ جَوْكَبَرَگَهَ دَهِيَّ  
رَاتَنَ نَكْمَ لَسَا تَحْكُمُونَ هَسَدَوْرَمَلَفِيَّهَ  
تَحِيلَ مَلَهَانَ سَعَانَ سَرَچَوْرَكَوْنَ كَوْنَ انَّ چِيزَوْنَ کَا  
بِدَالِكَ ذَعِيَّوْرَالْقَلَمَ : (۳۰-۳۱) فَاسَنَ بَنَتَهَے۔

زیریں جس آیت میں زبان کے مردف قاعدے کے مطابق کچھ محدود فاصلت ہیں ان کو کھول دیجئے تو پوری  
بات یہ ہوگی، (امر نہ سلو منسوب الی السماء یسمعون صاعدين نیہ...) جس سے یہ بات بھی تکھنی  
ہے کہ انسان اپنی رہنمائی کے لیے آسمانی وحی کا محتاج ہے۔ اب یا تو ہر شخص اس بات کا ثبوت ہبھم پہنچائے  
کہ اس کے پاس آسمانی ہدایت معلوم کرنے کے ذرائع دوسریں موجود ہیں اور اگر ہر شخص اس کا دعویٰ نہیں کر  
سکتا اور ظاہر ہے کہ نہیں کر سکتا تو اس پر دا جب ہے کہ وہ ان لوگوں کی رہنمائی پر بھروسہ کرے جوان دوسری  
سے پہرہ مند ہیں۔

### أَمْرَكَهَ الْبَنَتُ وَنَكْمَ الْبَنَوْنَ (۳۹)

لیعنی مذکورہ باتوں میں سے اگر کوئی بات نہیں ہے تو کیا تمہارا غرہ اپنے شرکا دو شفقار کے بل پر ہے  
کافہ بالکل کردہ دنیا میں بھی تھا سے مخالف ہیں اور آخرت میں بھی وہ شفیع و مددگار ہوں گے۔ اگر یہ بات ہے تو اس  
باطل ہے زعم کا بھونڈا ہیں واضح کر دینے کے لیے تہبا یہی بات کافی ہے کہ تم نے خدا کے لیے تو زار کیاں فرم کر  
رکھی ہیں، درآمدیا لیکہ اپنے لیے لڑکوں کو پسند کرتے ہو، لڑکیوں سے نفرت کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر  
اس سوال پر غدر کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی کہ خدا کا کوئی شرکیں و کفوہ ہو سکتا ہے یا نہیں تو کم از کم یہ احساس  
تو انسان نظرت کا بالکل بدیی تقدیما تھا کہ خدا کے لیے اس چیز کو پسند نہ کرتے جسے اپنے لیے پسند نہیں کرتے  
لیکن تم نے ہبھی حقائق کی۔ ایک تو بے دلیل خدا کے شرکیں شہزادے، پھر شرکیں بھی بنایا تو ایسی چیزوں  
کو جن کو اپنا شرکیں بنانا تمہیں گواہ را نہیں ہے۔

یہ امر بیان واضح رہے کہ شرکیں عرب کے ہاں سب سے اوپر اور جمین دیلوں کا تھا جن کے متعلق ان کا

گمان تھا کہ یہ خدا کی چہتی بیٹیاں ہیں اور اپنے باپ سے جو پاہیں منوا سکتی ہیں۔ ان کا ذکر تفصیل سے آگے دال سورہ میں یوں آیا ہے۔

أَنْدَعِيمُ الْحَتَّ وَالْعَزِيزُ لَا دَمْنَوَةٌ  
ذَرْغُورَ كُرْدَلَاتُ وَدَعْزَى إِدَرْنَاتُ پُرْجُرَتِين  
الثَّالِثَةُ الْأُخْرَى وَالْكَوْهُ الدَّكُوْلَهُ  
كَتِسِرِي اور دوبے میں دوسرا ہے کیا تھا سے  
الْأُنْثَى وَتِلْكَ إِذْلَقْسَهُ ضِيزَاهِ إِنْ  
یے بیٹیے میں اداس کے لیے بیٹیاں ہیں! پھر قریء  
هِلْوَالَا أَسْمَاءُ مَسِيْهُ تَوْهَا إِنْتَمْ وَابَاؤْكُمْ  
یہ پڑی ہی بھولکی تفہیم ہوتی! بعض نام ہیں جو تم نے اُو  
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَنٍ۔ تھا سے باپ داد نے رکھ چکوڑے ہیں۔ اللہ نے ان

(النجح : ۱۹-۲۳)

أَمْرَتْسِلَهُمَا أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْدِرِ مُشْقَلُونَ (۲۰)

یہ ان لوگوں کی حق بیزاری پر انہیں تعجب ہے کہ آخر یہ تھا ری بات سنتے کیوں نہیں؟ اپنی بات نے غافلین کے پر تم ان سے کسی تنخواہ یا معاوضہ کے طالب تو ہونہیں کہ اس کے لوجھ تسلی یہ دبے جا رہے ہوں! تم تو اپنے رب کی نعمت مفت باٹ رہے ہے پورا زان کو کیا حرج ہوتا ہے کہ وہ اس کے سنتے کے بھی روادار نہیں۔

یہ امر واضح رہے کہ جہل کے مقابل میں علم بہرحال ایک محبوب و مطلوب شے ہے۔ کوئی یلم الفطرت نہ یہ گوارا کرتا اور نہ اسے گوارا کرنا چاہیے کہ اس کے سامنے اس چیز کا علم پیش کیا جائے جس سے وہ بے خبر ہے اور وہ اس کے سنتے کا بھی روادار نہ ہو۔ ایسے شخص کی شان اس اندھے کی ہے جو مخدرگریں کھا رہا ہے لیکن کوئی اس کو رستہ پر لانا چاہتا ہے تو اس کے ہاتھ وہ جھٹک دیتا ہے۔ اہل عرب امتی، یعنی دین و شریعت سے بے خیرتے۔ ان کی اس بے خبری کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ کی ہدایت معلوم کرنے کے طالب بنتے بالخصوص جب کہ ان کے باں حضرت اسما علیہ السلام کے زمانے سے یہ روایت بھی چلی آرہی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے اندر کے ایک رسول اٹھائے گا جو لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشی کی طرف لائے گا اور جس سے دنیا کی تمام قومیں ہدایت پائیں گی۔ ان پر واجب تھا کہ جب اپنی کے اندر کے ایک بہترین شخص نے ان کو اللہ کے راست کی دعوت دی تو وہ اس کی بات سنتے اور سمجھیگی سے اس پر غور کرتے لیکن توقع کے خلاف انہوں نے اس کے بالکل خلاف روشن اختیار کی۔ ان کی اسی حالت پر قرآن نے اس آیت میں تعجب کا انہمار فرمایا ہے۔

أَمْرٌ عِنْدَهُمُ الْعَيْبُ فَهُمْ يُكْتَبُونَ (۲۱)

یعنی تم سے اور تھا ری پیش کردہ ہدایت سے یہ اس قدر بیزار ہیں تو کیا ان کے پاس غیب کے خود جان لینے کا کوئی ذریعہ موجود ہے جس سے وہ تم ضروری باتیں معلوم کر کے لکھ لیتے ہیں؟ خاہر ہے کہ اس طرح کا کوئی ذریعہ ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ ایسی حالت میں حق تو یہ تھا کہ وہ تھا ری پکار پر لکھتے کہ تم اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے سے ان کو اس کے احکام اور اس کی مفہومات سے آگاہ کرنے کے لیے اٹھے ہو۔ لیکن وہ تم سے تو بیزار ہیں الجھۃ

خود اپنے جی سے انہوں نے شریعت گھر کھی ہے جو ہے تو ان کی من مانی خواہشات اور ان کے ادھام کا مجموعہ لکین ان کو انہوں نے الشکا اتاما بہادر دین سمجھ رکھا ہے۔ ان کی اسی طرح کی خواہشات و بدعاہات کی طرف سورہ نجم آیت ۲۵ میں یوں اشارہ فرمایا ہے:

**أَعْنَدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَدِيَّ** (کیا اس کے پاس علم غیب ہے، اپس وہ دیکھ رہا ہے) اس آیت میں اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو با تباری ایمان و عمل تو بالکل صفرتے ہیں ان کا زعم یہ تھا کہ وہ بزرگوں کی اولاد ہیں اس وجہ سے ان کو اللہ تعالیٰ کے بارے بڑے درجے ملیں گے۔ اپنے اس پندار کے سبب سے وہ سینیرم کے انداز کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ یہیں عذاب سے ڈراتے ہیں حالانکہ بہت جلد گردش روزگار خود انہیں ختم کر دینے والی ہے اور تم اس کے منتظر ہی ہیں۔

**أَمْرُرِيَّدُونَ كَيْدَ أَطْفَالَ دِيَنَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ (۲۲)**

**اصل حقیقت** یہ سوال ہی کی پیرا یہی اصل حقیقت سے پرده اٹھا دیا ہے کہ یہ ساری دلیل بازیاں اور من سازیاں ترمیض کی پرده کثتفی ظاہر کا پرده ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ سینیرم کی دعوت کے فرع میں ان کو اپنی سیادت کا خاتمہ نظر آتا ہے۔ اس کو بچھنے کے لیے یہ ساری باتیں وہ، اپنے ضیر کے بالکل خلاف، گھٹتے اور پھیلاتے ہیں تاکہ ان کے عوام اس دعوت سے مشاہر ہو کر ان کے ہاتھوں سے نکل نہ جائیں۔ فرمایا کہ کیا یہ کوئی پال پلنی پاہتے ہیں! اگر یہ بات ہے تو یاد کریں کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ خود اپنے دام میں گرفتار ہیں۔

طلب یہ ہے کہ یہ لوگ حق سے برگشته رہتے اور لوگوں کو اس سے برگشته کرنے کے لیے اپنے ضیر کے بالکل خلاف سازش کرنے والے اس طرح کی چالیں چلتے ہیں وہ حق کی دعوت دینے والوں کا کچھ بھی نہیں بگھارتے بلکہ خود اپنے ہی کو تباہی کے کھڈیں گرتے ہیں۔ سنبھات و فلاح کا راستہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے سے تباہی ہے۔ کوئی شخص اس کو تدارہ نہ رکھ سکتے ہیں۔ سبھاں تو وہ اخبار کرتا ہے تو وہ اپنی صفات کو بہادیت ثابت کرنے کے لیے صحیح راه تبانے والوں پر نواہ کھتنی ہی تھیں تراشے اور کچھ روی کی حیات میں کتنی ہی دلیلیں گھٹے لیکن جب انہم اس کے سامنے آئے گا تب اس پر واضح ہو جائے گا کہ وہ خود اپنے ہی دام میں اسی سرکار کا اس منزل تک پہنچا ہے۔

**أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ عَلَيْهِ أَنْتُمْ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشَرِّكُونَ (۲۳)**

**خلاف کا ساتھ** یعنی بالآخر سب کو اللہ ہی کے آگے حاضر ہونا اور اسی کے حضور حواب دہی کرنی ہے تو جو بالیں اس کے خلاف شک کا کوئی چلیں گے ان کے النجاح سے ان کو کون بچائے گا! کیا ان کا گمان یہ ہے کہ انہوں کے سوا ان کے کچھ اور سبود بھی ہیں جو ان کی مدبوذیت کریں گے تو یاد کھیں کہ اللہ جل شانہ ان چیزوں سے پاک اور ارفع ہے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

**سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشَرِّكُونَ** میں دلیل کا جو پہلو ہے اس کی وضاحت اس کے محل میں ہم کرچکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی صفت مسوب نہیں کی جاسکتی جو اس کی ستم صفات کے منافی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات خود بیان فرمادی ہیں جن کو مشرکین عرب بھی مانتے تھے لیکن ساتھ ہی انہوں نے اپنی خواہشوں اور بدعاہات کو دین بنانے کے لیے اس کے ساتھ شرک کا جو ٹھہی لگا کر کھاتھا حالانکہ اس جوڑ سے خدا کی تمام بنیادی صفات کی نقی ہو جاتی ہے اس حقیقت کی طرف ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کی ان مشرکانہ نسبتوں سے بالکل پاک ہے۔

ان خوافات کا اس کی عظیم اور فرع اشان ذات سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔

**قَاتِلُنَّ يَعْرُوأَكْسُفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يُقْوَلُوا سَاحَابٌ مَؤْكُومٌ (۲۲)**

یہ بھی صلحی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیکھتی ہے کہ جب ان کی ساری شخصیت اسی مخفی چال اور فریب کی زیست کی چال پنچے والا ہیں تو ان کو مطہن کرنا تمہارے بیس بیس نہیں ہے۔ ان کو دیلوں سے غائل کرنا تو درکن را اگر یہ اس عذاب کو بھی آسمان کرنا تھا کہ نکجھ سے نازل ہوتا دیکھ لیں جس سے تم ان کو آگاہ کر رہے ہیں تو اس کو بھی یہ تربہ تباہی کہیں گے اور اپنے کو مطہن کر لیں گے کہ یہ ابر کرم ہیں کہ ان کے چھیتوں اور بانوں کو سیراب کرنے والا ہے۔

اس فقرے میں ثنوں کے تاریخی واقعہ کی طرف ایک نیت اشارہ ہے کہ ان کو جس عذاب سے ڈرایا گیا تھا جب وہ ان کے سردن پراؤ جھکا تب بھی انہوں نے اس کا لیفیں نہیں کی بلکہ یہ کہ کہا پس کو مطہن کر لیا کہ ہذا عذاب مُبِطِّدٰ (الاحتاف: ۲۲) یہ تو ہمیں سیراب کرنے والا باطل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسی طرح یہ لوگ عذاب کو دیکھ کر بھی ماننے والے ہیں ہیں۔ یہ اسی وقت، ماٹیں گے کہ جب عذاب ان کو پا مال کر دے گا، لیکن اسی وقت ماننا اور نہ ماننا دھوڑیں کیاں ہو گا۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی گہ کسی کو غائل کرنے کی وجہ اسی عذاب کی جا سکتی ہے جب تک مگاں ہر دن کے ذہن میں فی الواقع کچھ شبہات واعتراضات ہیں جو اس کے لیے قبول حق میں حباب بننے ہوئے ہیں۔ اس وقت تک ایک داعی کافروں ہے کہ اس کے شبہات و دراوڑا اس کے اعتراضات رفع کرنے کی کوشش کرے لیکن جب یہ بات بالکل واضح ہو کر ماننے آجائے کہ اس کی ساری دلیل بازی مخفی ایک چال رکیا اور کہ یہ جس کے پردے میں چھپ کر دہ حقیقت سے فرار اختیار کرنا چاہتا ہے تو پھر اس پر وقت خالع کرنا بالکل بے سود ہے۔ پھر اس کا معامل اللہ ہی کے حوالے کرنا چاہیے۔

**نَذَرَهُ حَتَّى يُلْقَوَى إِلَيْهِ مَهْمَمُ الْذَيْرِ فِيهِ يُصْعَقُونَ ۝ يَوْمَ لَا يُغَيِّرُنَّ عَنْهُمْ كَيْدُ هُنْدٌ شَيْئًا وَلَا هُنْدٌ يُضَرُّونَ (۲۴-۲۵)**

مطلب یہ ہے کہ جب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ یہ لوگ چال چل رہے ہیں تو اب ان کے درپے ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اب ان کو اس دن کے حوالے کر دیں جس دن سردار اسرائیل سے ان پر غشی طاری ہو جائے گی۔ یہ اشارہ اس دن کی طرف ہے جس کے ہوں کی تصویر سورہ مجیح میں بدین الفاظ لکھی ہی گئی ہے: دُنْرَى الْمَثَسِ مُكْرُى وَمَا هُمْ بِشَكِّرٍ دَلِكَنْ عَذَابَ اللَّهِ شَدِّيْدٌ (۲۴) (اور تم لوگوں کو مدھوش دیکھو گے اور یہ مدھوش خراب کی نہیں ہو گی بلکہ اللہ کا عذاب ہی برا سخت ہو گا)۔

یوْمَ لَا يُغَيِّرُنَّ عَنْهُمْ كَيْدُ هُنْدٌ ..... الایت: فرمایا کہ اس دن نہ ان کی یہ چالیں کچھ کام آئیں گی، نہ ان کے اعوان والنصار ان کی کچھ عور کر سکیں گے اور نہ ان کے مزدور شکا و شفuar ہی سے ان کو کچھ سہارا حاصل ہو سکے گا بلکہ ہر ایک کو سابق مرفت الشربت العزت سے پیش آئے گا اور وہ سب کا کیا دھرا ان کے سامنے رکھ دے گا۔

وَلَمَّا دُعُوا عَدَا بَادُونَ ذِلَّكَ وَلِكَنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۴۴)

ار نتابک یعنی آخرت کا عذاب تو ہے ہی ان غامبوں کے لیے ایک عذاب اس سے پہلے ہی ہے لیکن ان کی اکثریت اس طرف اشایہ ہو سے ہے بخوبی۔ یہ اشارہ اسی عذاب کی طرف ہے جو سنتِ الہی کے مطابق ان لوگوں پر ہمیشہ آیا ہے جو انہیں نے کہنے والے پر اپنے رسول کی تکذیب کی اور اس پر اڑتے رہ گئے۔ اس سنتِ الہی کی وضاحت ہم جگہ جگہ کرتے آ رہے ہیں یہ عذاب دنیا ہے، آتھے ترقی کے کذبین پر بھی آیا اور وہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں ذلیل دبام ہو گئے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ يَا عَيْتَنَا دَسْتِهِ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُهُ وَمِنَ الْيَوْمِ

فَسَيِّحَهُ وَرَادِبَارَ النَّجُومِ (۴۹-۴۸)

نبی میر کو بخوبی یہ نہایتِ دنواز پر ایسے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و انتظار کی ہدایت اور ساتھ ہی اس صبر کے حصول کی انتظام کر رہا ہے تبدیل ملقین فرمائی گئی ہے۔

”وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ“ صبر کے بعد، کا صد اس بات کا قریب ہے کہ فقط صبر پیاس انتظار کے معہوم پر پتختن ہے۔ لیکن پری استقامت کے ساتھ اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ حکوم سے مادا ان ہاتھوں کے ظہور کا حکم ہے جو اور پر مذکور ہو گیں۔

”فَإِنَّكَ يَا عَيْتَنَا“ یہ نہایت ہی دل نواز فخر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ہر وقت ہماری آنکھوں یعنی ہماری خفاظت میں ہو۔ یہ کتنی بھی جالیں چلیں لیکن جمال ہے جو تھیں کوئی گزند پہنچا سکیں۔

صلی میر ”وَقَبِيْحَهُ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُهُ“ یہ اس صبر کے حصول کی تبدیل ارشاد ہر جئی ہے کہ اس کے لیے زیادہ کتابیں۔ سے زیادہ نماز بالخصوص تہجیک نماز کا اہتمام کرو۔ جبین تقوہ کی تفسیر وضاحت سے ہم سورہ شراء کی آیات ۲۱۸-۲۱۶: وَقُلْ عَلَى الْعَزِيزِ لِرَحْمَةِ الَّذِينَ يَسْأَلُكَ حِينَ تَقُومُهُ (اور خدا کے عزیز در حیم پر بخود سر کھو تو تھیں دیکھتا ہے جب تم اٹھتے ہو) کے تحت کرچکے ہیں۔ اسی طرح تسبیح کے ساتھ حمد کی تبدیل کو وضاحت بھی اس کے محل میں ہو چکی ہے۔

”وَمِنَ الْيَوْمِ فَسَيِّحَهُ حَرَادِبَارَ النَّجُومِ“ پیکر کا معمول تغیر الفاظ کے ساتھ سورہ ق آیات ۴۹-۴۸ میں بھی گزر چکا ہے۔ اس کی تفسیر پیاس دیکھ لیجیے۔ یہاں ساری بحث دہرانے میں طوالت ہو گی۔ ق کی آیات ہم نقل کیے دیتے ہیں: نَاصِبُهُ عَلَى مَا لَيَقُولُونَ وَسَيِّحَهُ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغَرْبِ وَمِنَ الْيَوْمِ فَسَيِّحَهُ وَرَادِبَارَ السَّجُودَه

بغفل ایزو ہی ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّهِ عَلَى ذِرَّكَ۔

رحمان آباد

۱۵۔ مئی ۱۹۶۶ء

۱۶۔ جمادی الاول ۱۴۹۵ھ